عزیزم محمد خالد ۔ ناصر احمد

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مدیر
منیر احمد جاوید

ماہنامہ

خالد

جولائی ۱۹۸۴ء

ربوہ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ
کراچی میں
معیاری سونا سے معیاری زیورات خریدنے اور بنوانے کیلئے تشریف لائیں
الرؤف جیولرز
۱۶- خورشید کلاتھ مارکیٹ حیدری۔ شمالی ناظم آباد۔ کراچی
فون نمبر: ۶۱۷۰۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاستبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

وفا ۱۳۶۳ہش جولائی ۱۹۸۴ء
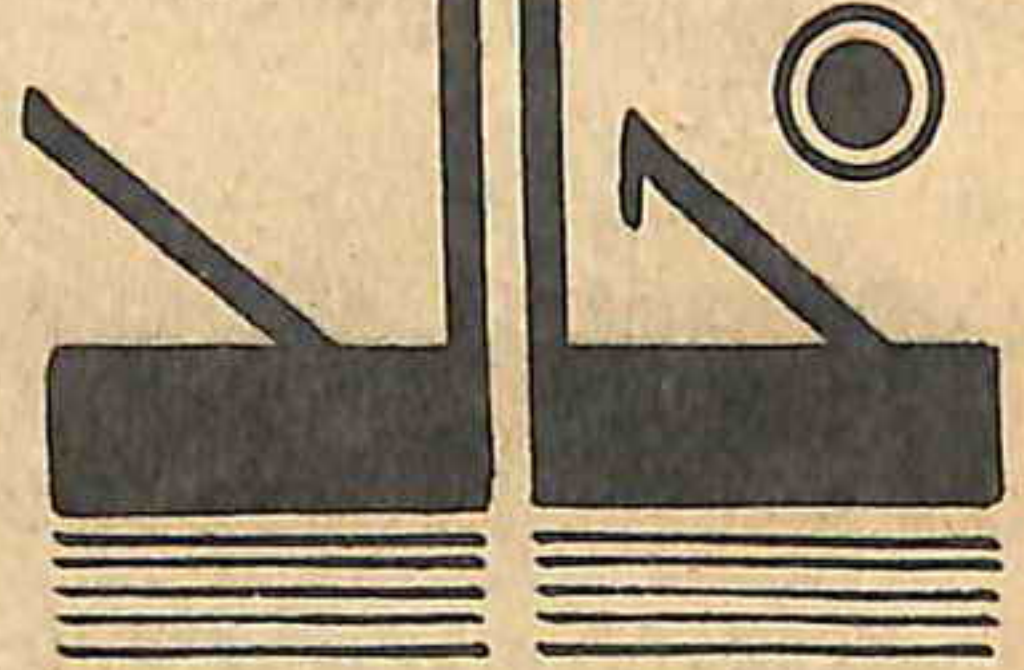
مدیر:۔ منیر احمد جاوید

نائب مدیر:۔ عبدالسمیع خاں

معاونین:۔ محمود احمد شاد۔ فضیل عیاض احمد

اس شمارے میں

قیمت سالانہ ۲۵ روپے
" ماہانہ ۲ روپے ۵۰ پیسے

جلد ۳۱ ---------- شمارہ ۹

پبلشر:۔ مبارک احمد خالد پرنٹر:۔ سید عبدالحی مطبع:۔ ضیاء الاسلام۔ ربوہ
مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۸۳۰
کتابت:۔ حمید الدین۔ ناصر آباد۔ ربوہ

اداریہ

مومن کا ہر قدم آگے بڑھنے کے لئے ہوتا ہے اور ہر منزل کے بعد ایک نئی منزل اُس کی منتظر ہوتی ہے۔ وہ کسی ایک منزل کو ہی ٹھکانہ بنا کر بیٹھ نہیں رہتا بلکہ مزید سے مزید ترقیات کا متلاشی رہتا ہے۔ اِس لئے تمام وہ لوگ جو فی الحقیقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی وامّی) کی طرف منسوب ہوتے ہیں آج اِس بات کے سب سے زیادہ ذمہ دار قرار دیئے گئے کہ وہ دینِ حق کے غلبہ کے لئے خدا کی طرف سے جاری کردہ عظیم الشان مشن کی کامیابی کیلئے پہلے سے بہت بڑھ کر قربانیاں دیں بلکہ اپنا تن من دھن سب کچھ اِس راہ میں قربان کر دیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اس مہم کو فتح نمایاں سے سرفراز کرنے کے لئے جو جوت اُن کے دل میں جگائی ہے وہ اسے کبھی بُجھنے نہ دیں۔

دُنیا میں وہی قومیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں جو اپنے خونِ جگر اپنے نصب العین کے قرناء میں بھر کر اس زور سے اسے پھونکا کرتی ہیں کہ دُنیا کے لئے ان کی طرف توجہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ نتیجۃً اس قرناء کی آواز پر اُٹھنے والا ہر نیا قدم پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ اُٹھتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سعید فطرت انسان اس کے گرد یوں جمع ہو جایا کرتے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانے یا شہد کے چھتے پر مکھیاں۔

اور جب یہ پروانے اس قرناء کی آواز پر کان دھر کر اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں تو ان کو ابتلاؤں کے میدان میں انبیاء علیہم السلام کا ساعزم عطا کیا جاتا ہے اور دُکھوں کے جنگل میں ان کو طاقت دی جاتی ہے۔ وہ تنہا نہیں رہتے بلکہ خدا ان کا نگران و محافظ بن کر ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے ہو جاتے ہیں اور وہ ان کا ہو جاتا ہے۔ وہ اُن کی خاطر جاگتا ہے جبکہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان کا ہاتھ، ان کی آنکھ، ان کا دل، ان کے پاؤں، غرضیکہ ان کے وجود کا ہر ذرّہ اس کی ذات کا عکس بن جاتا ہے۔ وہ اپنی نصرتِ کاملہ سے دشمنوں کے خلاف یوں ان کی مدد کرتا ہے کہ ہر آنے والا دن پہلے سے بہت بڑھ کر ان کو کامیابیوں کی طرف لیجانے والا ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونیوالا سُورج ان کو پہلے سے زیادہ مضبوط و مستحکم چٹان پر کھڑے پاتا ہے۔

پس ضرورت ہے اِس بات کی کہ ہم میں سے ہر ایک ایسا ہو جائے کہ مولا کریم ہر وقت اس کی مدد کے لئے سرِ راہ کھڑا ہو اور جب بھی وہ اپنے ربّ کو پکارے تو آسمان کے ابوابِ رحمت کھلنے لگیں اور ہر دروازہ سے یہ آواز آئے کہ

مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ مَیں تمہارے قریب ہوں۔ مَیں نے تمہاری پکار کو سُن لیا ہے۔ مَیں اپنی فوجوں کے ساتھ تمہاری مدد کے لئے دوڑا چلا آرہا ہوں اِس لئے کسی کا خوف کبھی تمہارے دِل میں پیدا نہ ہو۔ مَیں تمہیں بڑھاؤں گا، پھیلاؤں گا اور ترقی پر ترقی دوں گا کہ سارا اکنافِ عالم (باقی صفحہ ۹ پر)

علم و عمل

اخوّت و محبّت

آیاتِ مبارکہ قرآن شریف

● اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥
(الحجرات : ۱۱)

ترجمہ:۔ مومنوں کا رشتہ آپس میں صرف بھائی بھائی کا ہے۔ پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان جو آپس میں لڑتے ہوں صلح کرا دیا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

● وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔
(آل عمران : ۱۰۴)

ترجمہ:۔ یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اُس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

● رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ٥ (الاعراف : ۱۵۲)

ترجمہ:۔ اے میرے ربّ! مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل کر دے اور تُو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا ہے۔

احادیث النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

● حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مومنوں کی مثال ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے کو اچھی طرح تھامے رکھتا ہے۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر (اِس) مثال کو واضح فرمایا۔ (متفق علیہ)

● حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے باہمی صلہ رحمی، پیار و محبّت اور شفقت کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بے خوابی

میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ وہ اسے نقصان سے بچاتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)
- حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال اور میری عظمت کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج جبکہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دوں گا۔ (مسلم۔ کتاب البر والصلہ)
- حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی اگر اپنے لئے آرام، سکھ اور بھلائی چاہتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی یہی چاہے۔ (بخاری۔ کتاب الایمان)
- حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ تک اپنا تعلق منقطع رکھے۔ (بخاری۔ کتاب الادب)

ارشادات حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ

- فرمایا: "تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ سو اُس کا مجھ میں حصّہ نہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۹ کشتی نوح ص ۱۲، ۱۳)

- "باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بُغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں ایک توحید و محبت و اطاعتِ باری عزّ اسمہٗ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور بنی نوع کی۔" (ازالہ اوہام ص ۴۵۱)
- "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہرا دے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جائے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اُٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی

اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرشِ زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مَیں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اس کے لئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں۔ اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کوئی سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مَیں بھی دیدہ دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہیئے کہ مَیں اس کی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اس کے لئے رو رو کر دُعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ مَیں اس سے ٹھٹھا کروں یا چیں برجبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے اس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔ کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دُور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر بات کرنا مقبولِ الٰہی ہونے کی علامت ہے۔"

(شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۹۵، ۳۹۶)

○

اے سونے والو! جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آ کے در پہ ہمارے وہ یار ہے

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں مِلا!
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جُدا!

اِس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مُدّعا
جنّت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دُنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

ملتی نہیں عزیزو! فقط قِصّوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

(دُرِّثمین)

تبرّکات

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اِک نور تھے

"وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسانِ کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسانِ کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سیّد الانبیاء سیّد الاحیاء محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

شفیع المذنبین — محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

"نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اِس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اُس کے غیر کو اُس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔"

(کشتیٔ نوح)

ذاتِ کامل الصّفات

"جناب سیّدنا و مولانا سیّد الکل و افضل الرسل حضرت خاتم النبییّن محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ..... ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اسی ذاتِ کامل الصّفات پر ختم ہو گیا ہے جس کی کیفیّت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اَور کو حاصل ہو سکے۔"

(توضیح مرام)

درس الحدیث

تسبیح، تحمید اور تکبیر کا اجرِ عظیم

(از حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ)

حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ جَاءَ الْفُقَرَاءُ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْاَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِیْمِ الْمُقِیْمِ یُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِّنْ اَمْوَالٍ یَحُجُّوْنَ بِهَا وَیَعْتَمِرُوْنَ وَیُجَاهِدُوْنَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ۔ فَقَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِمَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ اَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ یُدْرِكْكُمْ اَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَیْرَ مَنْ اَنْتُمْ بَیْنَ ظَهْرَانِیْهِمْ اِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهٗ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلٰثِیْنَ ....

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غریب مسلمان حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ دولت مند لوگوں نے تمام بلند درجے حاصل کر لئے اور ہمیشہ کا چَین (جنّت) لے لیا حالانکہ وہ بھی ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں۔ ان کے پاس مال و دولت علاوہ ہے جس کے ذریعہ وہ حج کرتے ہیں اور عمرہ اور جہاد بھی بجا لاتے ہیں اور صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں (اور ہم غربت کی وجہ سے ان کاموں کو سرانجام نہیں دے سکتے) آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو بجا لاؤ تو آگے بڑھنے والوں کو جا لو اور تم کو کوئی نہ پکڑ سکے اور تم اپنے زمانہ والوں میں سے سب سے اچھے ہو جاؤ اور جو وہ بات بجا لاوے گا وہ تمہارے برابر رہے گا۔ تم ہر نماز (فرض) کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سُبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔

تشریح: یہ حدیث خاص طور سے قابلِ توجہ اور قابلِ ذکر ہے۔ چاہیئے کہ دوست اِس کا مفہوم ذہن نشین کر لیں۔

اِس حدیث کو پڑھ کر دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا وجہ ہے کہ ایک شخص جو خدا کی راہ میں جان و مال فدا کر دیتا ہے اور دیگر طرح طرح کے امورِ صالحہ بجا لاتا ہے اس کے درجہ کے برابر ایک ایسے شخص کا درجہ ہو جو نہ تو اپنے میں جان و مال فدا کرنے کی توفیق

رکھتا ہے اور نہ دیگر امور صالحہ حج، صدقہ، زکوٰۃ وغیرہ کو، بجا لا سکتا ہے؟

یاد رکھنا چاہیئے کہ مال و دولت بھی ایک ایسی چیز ہے کہ جو دُنیا کے قیام کا باعث ہے۔ جس کے پاس دولت نہیں وہ نہ تو کپڑے خرید سکتا ہے اور نہ ہی کھانے کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔ تعلیم بھی بغیر مال و دولت کے حاصل نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ بھی مال والوں پر فرض ہے۔ حج بھی مال والوں پر فرض ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور مال کی محبّت قلبِ انسان میں ودیعت کی گئی ہے جیسے کہ فرمایا اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ اور جو شخص خدا کی راہ میں جان و مال کو قربان و فدا کر دیتا ہے تو گویا اس نے اپنے ایمانِ صالحہ کا ثبوت دیا لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ بذلِ مال ریا کاری سے نہ کرے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مال کے تین بڑے بڑے منفعت ہوتے ہیں۔

اوّل تسبیح یعنی نقائص سے پاک ہونا۔ ایک غریب و قلاش شخص جس کا نام عبداللہ ہے لوگوں کے دلوں میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی حتّٰی کہ اس کا نام بھی حقارت سے لیتے اور دُلّا دُلّا کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن جب وہی امیر ہو جاتا ہے تو اسی دُلّا کو لوگ جناب مولوی عبداللہ صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی نواب یا راجہ یا امیر آدمی نکمّی بات بھی کہہ دے تو اس کے ہوا خواہ جھوٹ تعریفوں کے پُل باندھ دیتے۔ گویا مال و دولت اور جاہ و حشمت ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ انسان کے نقائص کو خوبیاں بنایا جاتا ہے۔

دوسری بات تحمید ہے۔ لوگ امراء، نوابوں اور راجاؤں کی بے جا تعریف کرتے ذرا نہیں ہچکچاتے۔

پھر تیسری بات بڑائی ہے جو مال کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ امیروں کو سوسائٹی میں اُونچے درجہ پر جگہ دی جاتی ہے اور ان کی عزّت و توقیر کی جاتی ہے۔ پس جو شخص فی سبیل اللہ اپنی دولت کو خرچ کرتا ہے تو گویا اس نے اِس بات کا کھلے بندوں اظہار کیا کہ اے خدا میں تیرے راستہ میں اپنی تسبیح کو قربان کرتا ہوں کیونکہ سُبْحٰنَ اللہ صرف ایک تُو ہی ہے جو نقائص سے منزّہ ہے۔ اسی طرح اسنے اپنی تعریف کو بھی قربان کر دیا کیونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ صحیح تعریف صرف اور صرف خدا کے لئے ہے۔ اسی طرح اس نے اپنی بڑائی کو بھی خدا کے حضور قربان کر دیا۔ کیونکہ اصل حق بڑائی کا صرف اور صرف اسی کو ہے۔ اللہ اکبر۔

ایک امیر شخص تو اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے ثواب حاصل کر لیتا ہے پر غریب کیا کرے اس کو بھی ثواب کی خواہش ہے وہ بھی تو عباد اللہ میں شامل ہونا چاہتا ہے تو ایسے آدمی کے لئے حضور علیہ السلام نے ایک نہایت ہی قیمتی اور سہل گُر ارشاد فرمایا کہ وہ ہر نمازِ فرض کے بعد ۳۳-۳۳-۳۴ مرتبہ سُبحان اللہ۔ الحمدللہ اور اللہ اکبر کہہ لیا کرے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اس کے

پیشِ نظر فوراً یہ بات آجائے گی کہ خدائے واحد یگانہ ہی تمام نقائص سے پاک ہے۔ کوئی بادشاہ، نواب، راجہ یا امیر ایسا نہیں جو نقائص سے پاک ہو۔

پھر یہ کہ دنیوی بڑائی کوئی چیز نہیں۔ دُنیا میں ہزاروں بدکار ایسے ہیں جن کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں۔ اصل بڑائی خدا کے لئے ہے اور جب وہ الحمدللہ کہے تو وہ اپنے دل میں یہ بات واضح طور سے جاگزیں کرے کہ اصل تعریف تو خدا کے لئے ہے جو لوگ امراء، وزراء، نوابوں اور بادشاہوں کی تعریف کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ چنانچہ جب غریب آدمی ان خیالات کے ساتھ تسبیح وتحمید وتکبیر کرے گا تو گویا اسنے کہا نہ تو امراء، نواب یا بادشاہ نقائص سے پاک ہیں سوائے خدا کے اور نہ ہی اصل تعریف کے یہ لوگ مستحق ہیں سوائے خدا کے اور نہ ہی یہ لوگ بڑائی کے قابل ہیں سوائے خدا کے۔ لیکن اس کا یہ اقرار خلوص نیّت سے ہو تو تبھی وہ حقیقی اجر کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں تو کہے سُبحان اللہ لیکن باہر جا کر لوگوں کی بیجا تعریف کرے، ان کی بڑائی کرے وغیرہ وغیرہ۔ تو گویا اس نے حق تسبیح ادا نہ کیا۔ مختصر یہ کہ جس امیر نے اپنے مال و دولت کو فی سبیل اللہ خرچ کیا تو گویا اس نے اِس بات کا ثبوت دیا کہ اصل تسبیح تحمید وتکبیر خدا کے لئے ہے انسان خواہ امیر، نواب بلکہ بادشاہ بھی بن جائے مگر وہ ان نقائص سے بَری نہیں۔ اور جو غریب بھی اپنے دل میں اِس بات کا حقیقی احساس پیدا کرے کہ صحیح تسبیح وتحمید وتکبیر صرف اور صرف خدا کے لئے ہے تو گویا وہ امیر و غریب دونوں ایک ہی سِلک میں مُنسلک کر دئے گئے۔ امیر نے اپنے عمل سے اِس بات کی شہادت دے دی اور غریب نے دِلی یقین اور خلوص نیّت سے خدا کے حضور اپنی عرض کو پیش کر دیا۔ مطلب و مدعا دونوں کا ایک ہے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ وہ بالالتزام ہر نماز فرض کے بعد تسبیح وتحمید وتکبیر کہنے کا رواج ڈالیں۔ اللّٰھم صَلِّ علیٰ محمّدٍ وبارك وسلّم انّك حمیدٌ مجید

(روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۴۳ء)

اداریہ (بقیہ صـ۲)

تم سے جگ مگ جگ مگ کرنے لگ جائے۔

اور جب ایسا ہو جائے تو یقین رکھو اور اپنے دلوں کو اِس ایمان سے بھر لو کہ کامیابی صرف تمہارے ہی مقدّر میں لکھی گئی ہے اور فتحِ نمایاں صرف اور صرف تمہاری علامت ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت تم سے یہ علامت چھین نہیں سکتی اِس لئے کہ تمہاری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔

> لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بُود
> ندائے فتحِ نمایاں بنامِ ما باشد
> (درِثمین فارسی)

○

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مِرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خُوب تر ہے خُوبی میں اِک قمر ہے
اس پر ہر اِک نظر ہے بدرالدّجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے
مَیں جاؤں اُس کے وارے بس ناخُدا یہی ہے

وہ آج شاہِ دِیں ہے وہ تاجِ مُرسلیں ہے
وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

اُس نُور پر فِدا ہُوں اس کا ہی مَیں ہُوا ہُوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہُوں بس فیصلہ یہی ہے

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تُو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

(درِّثمین)

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ ـــــ واقعات و مشاہدات

(عبد السمیع خان ۔ ربوہ)

حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑتے وقت مکہ پر آخری نظر ڈالی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور رقت بھری آواز میں فرمایا:

" اے مکہ کی بستی! تو مجھے بہت پیاری ہے لیکن تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے ۔"

(زرقانی)

کتنا گہرا کرب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ میں سمٹ آیا ہے۔ حضورؐ نے نہ صرف مکہ اور اپنی قوم کے متعلق اپنے دُکھ بھرے جذبات کا اظہار کر دیا ہے بلکہ اپنی ہجرت کی وجہ بھی بڑے فصیح و بلیغ مگر جامع اور مختصر طور پر بیان کر دی ہے جس کے پیچھے آپؐ کی ساری مکی زندگی گواہ کے طور پر کھڑی ہے۔

یہ کیسا دردناک المیہ ہے کہ وہ جو باعثِ تخلیقِ کون و مکان ہے اس کے لئے آبائی وطن کی زمین تنگ کی گئی ہے۔ وہ جو کعبۃ اللہ کا مقصود ہے اسے بیت اللہ میں عبادت کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

وہ جو دعائے ابراہیمی کا ثمر ہے ابراہیمؑ ہی کی اولاد نے اس سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا ہے اور اب رؤسائے مکہ اس مظلوم اور معصوم انسان پہ آخری وار کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ اپنی دانست میں ایسا حل تلاش کر چکے ہیں جس سے وہ دینِ اسلام کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ یعنی یہ کہ

• اگر وہ محمدؐ کو قید کر دیں تو اس کے رشتہ دار اور متبعین اسے چھڑا کر لے جائیں گے۔

• اگر وہ محمدؐ کو مکہ سے نکال باہر کریں تو وہ اپنی شیریں بیانی سے سارے عرب کو اہلِ مکہ کے خلاف کھڑا کر دے گا اور وہ بے بس ہو کر رہ جائیں گے۔ گویا نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ لیکن

• اگر تمام قبائل کے منتخب نوجوان بیک وقت محمدؐ پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اُتار دیں تو یہ صدا ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گی اور بنو ہاشم تمام قبائل سے بدلہ نہ لے سکیں گے۔

یہ ابوجہل کی رائے تھی جس پر سب کا اِتفاق

ہو گیا (ابنِ ہشام جلد اوّل) اور طے پایا کہ آج رات توحید کے اس شہزادے کی آخری رات ثابت ہو گی لیکن کیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ان ارادوں سے بے خبر تھا۔ ہرگز نہیں۔ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان منصوبوں کو نہ جانتے تھے لیکن آپؐ کا واحد و یگانہ خدا ان سے واقف تھا مگر ابھی دشمنوں کو ڈھیل دے رہا تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ آج رات اپنے بستر پر نہ گزاریں اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس طرح آپؐ کے ذریعہ انبیاء کی وہ سُنّت بھی پوری ہوئی جو قدیم سے چلی آ رہی تھی۔

لباب الخیار میں لکھا ہے:-

وَبِهٰذِهِ الْهِجْرَةِ تَمَّتْ لِلرَّسُوْلِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَّةُ
اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَهٗ
فَمَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا نَبَتَ فِيْ بِلَادِ
نَشْأَتِهٖ ثُمَّ هَاجَرَ عَنْهَا مِنْ
اِبْرَاهِيْمَ اَبِى الْاَنْبِيَاءِ اِلٰى
عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَلِمَةِ اللّٰهِ۔
(لُباب الخیار فی سیرۃ المختار صـ۳۹)

یعنی اس ہجرت کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے سے پہلے نبیوں کے ساتھ سُنّت پوری ہو گئی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اپنے پیدائشی وطن سے ہجرت نہ کی ہو ۔۔۔

یہ خدا کی کیسی عجیب تقدیر ہے کہ گو ہر نبی اپنے زمانہ کا سب سے شجاع اور نڈر انسان ہوتا ہے۔ وہ نہ اپنے مخالفین سے کبھی خوفزدہ ہوتا ہے اور نہ ہی چھپتا ہے لیکن جب ہجرت کا وقت آئے تو خدا کی طرف سے اِخفاء کا حکم دیا جاتا ہے۔ پس ہجرت اور رازداری لازم و ملزوم ہیں جو گہرے مصالح پر مبنی ہوتے ہیں لیکن دشمن اپنے تمام ذرائع اور وسائل کے باوجود بے بس کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے نکلے جبکہ قریش نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا ہؤا تھا۔ آپؐ نے ہاتھ میں مٹّی لیکر ان کفّار کے چہروں کی طرف پھینکی جس سے وہ معجزانہ طور پر اندھے ہو گئے اور آپؐ سورۃ یٰسین کی آیات تلاوت فرماتے ہوئے گزر گئے۔

لیکن اس سے قبل آپؐ نے دو اہم کام سرانجام دیئے۔ اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے کفّار کی امانتیں پڑی ہوئی تھیں آپؐ نے حضرت علیؓ کو سارا حساب کتاب سمجھا دیا اور تاکید کر دی کہ بغیر امانتیں واپس کئے مکّہ سے نہ نکلنا۔ پھر فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور آپؐ نے اپنی چادر ان کے اُوپر اُڑھا دی۔ امانت داری کا کیسا اعلیٰ مقام ہے ۔۔۔

دوم یہ کہ آپؐ دوپہر کو حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے اور بتایا کہ خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ وہ اسی انتظار میں رُکے ہوئے تھے چنانچہ فوراً سفر میں رفاقت کی درخواست کی جو حضورؐ نے منظور فرمالی اور

سفر کی تفاصیل زیرِ غور آئیں۔

چنانچہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ مگر جلد جلد مکّہ کی گلیوں سے گذر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں شہر سے باہر نکل گئے۔ راستہ میں حضرت ابوبکرؓ بھی مل گئے پھر آپ دونوں غارِ ثور کی طرف گئے جو مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گمنام اور ویران غار ہے۔ اس کی چڑھائی سر توڑ ہے اور راستہ سنگلاخ۔ نوکیلے پتّھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے نازک کو زخمی کر رہے تھے اور ٹھوکر لگنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا اور غار تک پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کو باہر ٹھہرایا خود اندر جاکر غار کو صاف کیا۔ تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزن بند کئے اور پھر عرض کی کہ حضورؐ بھی اندر تشریف لے آئیں۔ ان دونوں کے اندر جانے کے بعد تقدیرِ خداوندی کے تحت ایک مکڑی نے غار کے مُنہ پر جالا تن دیا۔

اِس طرح ہجرت کا پہلا مرحلہ مکمل ہوُا مگر آپؐ کو پہلے سے زیادہ سنگین اور نازک حالات میں داخل کر گیا کیونکہ عین اسی وقت قریش حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جہاں حضرت علیؓ حضورؐ کی چادر لیکر محوِ استراحت تھے۔ رات کو وہ بار بار جھانکتے اور یہ سمجھ کر مطمئن ہوجاتے کہ حضورؐ اندر ہیں لیکن صُبح ہوئی اور حضرت علیؓ بیدار ہوئے تو ان سے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہے۔ علیؓ نے جواب دیا مجھے کیا خبر؟ قریش غصّہ اور ندامت سے حضرت علیؓ پر پل پڑے ان کو مارا اور خانہ کعبہ تک پکڑ لائے۔ تھوڑی دیر حبس بیجا میں رکھا آخر چھوڑ دیا۔

اب وہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے۔ دستک دی۔ ان کی بیٹی حضرت اسماءؓ باہر نکلیں۔ ابوجہل نے پوچھا لڑکی تیرا باپ کہاں ہے وہ بولیں بخدا مجھے معلوم نہیں۔ اس بدبخت نے ایسا زور کا طمانچہ مارا کہ اسماء کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔ (طبری)

آخر قریش نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمدؐ کو زندہ یا مُردہ پکڑ لائے گا اس کو سَو اُونٹ اِنعام دیئے جائینگے چنانچہ کئی لوگ اس انعام کے لالچ میں مکّہ کے چاروں طرف پھیل گئے۔ رؤسائے قریش خود بھی سراغ لیتے لیتے آپ کے پیچھے نکلے اور غارِ ثور کے مُنہ پر پہنچ گئے تجربہ کار کھوجی نے کہا سراغ یہیں تک ملتا ہے اِس لئے یا تو محمدؐ یہیں ہے یا پھر آسمان پر اُڑ گیا ہے لیکن غار کی تاریکی اور ویرانی اور غار کے مُنہ پر تنے ہوئے جالے نے انہیں اندر جانے سے باز رکھا اور وہ واپس چلے گئے۔ خدا نے یہ بتا دیا کہ جب اس کی نصرت شاملِ حال ہو تو دُنیا میں سب سے کمزور گھر" اوھن البیوت" مکڑی کا جالا بھی ناقابلِ تسخیر قلعوں کی مانند حفاظت کرتا ہے اور ان کمزور گھروں کے بارہ میں سوچنے والے دماغ چل جاتے ہیں، آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ غار کے اندر جب حضرت ابوبکرؓ نے باہر کھڑے قریش کی باتیں سُنیں جبکہ ان کے پاؤں حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو نظر آرہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی حفاظت کے خیال سے کہا کہ

یا رسول اللہ اگر یہ ذرا سا جھک کر دیکھیں تو ہمیں دیکھ سکتے ہیں مگر حضورؐ نے بڑے یقین اور توکل اور تحدّی سے فرمایا

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

کوئی حزن اور غم مت کرو ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (بخاری۔ مناقب ابی بکر)

اِس میں یہ پیغام تھا کہ جسے خدا کی معیّت حاصل ہو اُسے دُنیا کی کوئی قوم شکست نہیں دے سکتی حضورؐ کا باقی سفر بلکہ ساری زندگی اس کی شہادت دیتی ہے۔

اِس غار میں آپ تین دن تک رہے۔ سفر پر روانگی سے پہلے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے کھانا تیار کر کے اور اپنے نطاق (کمر میں باندھنے کے کپڑے) کے دو ٹکڑے کر کے اسے برتنوں پر باندھ دیا تھا (اسی وجہ سے وہ ذات النطاقین بھی کہلاتی ہیں) غار میں قیام کے دوران بھی وہ گھر سے روٹی لاکر پہنچاتی رہیں جبکہ حضرتِ ابوبکرؓ ہی کے ایک غلام جن کے پاس ابوبکرؓ کا ریوڑ تھا بکریاں چراتے چراتے غار کے پاس لے آتے اور دُودھ مہیّا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ دن بھر مکہ میں پھر کر معلومات اکٹھی کرتے اور رات کو غار میں آکر قریش کی حرکات اور مشوروں سے اطلاع دیتے۔ تین دن کے بعد انہوں نے بتایا کہ قریش اب مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ چوتھے دن رات کو آپ غار سے نکلے۔ اسی شب حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں جن کو اسی سفر کے لئے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دوسری پر عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن اُرَیقط (ایک کافر جسے رستہ بتانے کے لئے اُجرت پر لیا گیا تھا) سوار ہوئے۔

یہ قافلہ احتیاطاً اصل راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے برابر ایک رات اور ایک دن تک چلتا رہا دن کو سُورج ڈھلنے کے بعد جب قافلہ رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحلِ بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہا تھا تو سراقہ بن مالک تعاقب کرتے ہوئے قریب آن پہنچا۔ آنحضرتؐ کا خیال کر کے حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی۔ سراقہ بیان کرتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بار بار مڑ کر میری طرف دیکھتے تھے مگر حضورؐ نے ایک دفعہ بھی پیچھے نہیں دیکھا بلکہ مَیں قریب آیا تو مَیں نے دیکھا کہ حضورؐ بڑے مزے اور اطمینان کے ساتھ قرآن کریم کی آیات کی تلاوت فرماتے جاتے تھے۔

جب سراقہ قریب پہنچا تو اچانک اُس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے عرب کی قدیم رسم کے مطابق تیر نکال کر فال لی مگر جواب نفی میں ملا مگر انعام کے لالچ میں رہ نہ سکا اور دوبارہ آگے بڑھا تو گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور پیٹ تک دھنس گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے۔ اس نے عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی۔ امان دی گئی۔ وہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب مَیں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔ پھر اس کی درخواست اور حضورؐ کے ارشاد

پر عامر بن فہیرہؓ نے امان نامہ لکھ کر اسے دے بھی دیا جب وہ واپس ہونے لگا تو حضورؐ نے فرمایا :۔

"سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔"

سراقہ احد کے بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور مرصّع زیورات ان کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کے کنگن پہنائے اور یوں صحرا کے ایک مسافر، بے زور اور بے گھر مگر خدا کے محبوب کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ جو کئی پیشگوئیوں پر مشتمل تھے پورے ہوئے۔

سراقہ نے ابوجہل کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے گھوڑے کے دھنس جانے والے واقعہ کو بیان کیا ؎

اَبَاحَکَمٍ وَ اللہِ لَوْ کُنْتَ شَاھِدًا
لِاَمْرِ جَوَادِیْ اِذْ تَسِیْخُ قَوَائِمُہٗ
عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْکُکْ بِاَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُوْلٌ بِبُرْھَانٍ فَمَنْ ذَا یُقَاوِمُہٗ

اے ابوالحکم (ابوجہل) خدا کی قسم اگر تو اس وقت موجود ہوتا جب ان کے حکم سے میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے تو جان لیتا اور شک نہ کرتا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ برہان رسول ہیں پس ان کے مقابلہ میں کون ٹھہر سکتا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اوّل)

اور واقعی کوئی اس قافلے کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ یہ قافلہ کسی کے روکے نہ رُک سکا اور جہاں جہاں سے گزرا برکتیں لٹاتا گیا۔

اس مبارک قافلہ کا گزر خیمہ ام معبد سے ہوا۔ یہ عورت خزاعہ قبیلہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور اور ان کی تواضع کے لئے مشہور تھی۔ ہر روز پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستایا کرتے تھے۔

حضورؐ نے بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولی نہیں اگر کوئی شئے ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔ حضورؐ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ دریافت کیا یہ بکری کیوں کھڑی ہے۔ جواب ملا بیمار ہے اسلئے ریوڑ کے ساتھ نہیں گئی اور اس کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے۔

فرمایا: اگر اجازت ہو تو ہم دودھ دوہ لیں۔ امّ معبد نے کہا اگر حضورؐ کو ایسی بکری سے دودھ کی امید ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ حضورؐ نے اس کے تھنوں پر بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ پھیرا تو بیمار بکری کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ حضورؐ نے ایک بڑے برتن میں دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بھر گیا اور چھلک اٹھا۔ آپؐ نے امّ معبد کو خوب سیر ہو کر دودھ پلایا۔ پھر حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں خود پیا۔ جب برتن خالی ہوا تو حضورؐ نے دوبارہ اس بکری سے دودھ دوہا اور وہ برتن لبریز ہو گیا۔ حضورؐ نے اسے امّ معبد کے حوالے کیا اور اس کی درخواست پر اس کی بیعت لی اور آگے

چل پڑے۔ (زاد المعاد۔ طبرانی)

راستہ میں بریدہ اسلمی ملا۔ وہ بھی انعام کے لالچ میں آپ کے پیچھے آن پہنچا۔ جب حضورؐ کے سامنے پیش ہوا اور حضور سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا تو ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اپنی پگڑی اُتار کر نیزہ پر باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت دیتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا پیغمبر اور دُنیا کو عدالت اور انصاف سے بھر دینے والا وجود آ رہا ہے۔

بہاروں کا پیامی یہ قافلہ مختلف جگہ پڑاؤ کرتا ہوا آٹھ دن کے سفر کے بعد ۸ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء مدینہ کے پاس پہنچا۔ اہلِ مدینہ دیر سے آپ کے منتظر تھے اور روز انتظار کر کے واپس چلے جاتے تھے آخر وہ سعید دن بھی آ گیا کہ جب ایک یہودی نے ایک بلند مقام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کو آتے دیکھا اور زور سے پکار اُٹھا کہ اے اہلِ عرب! جس کی راہ تم تک رہے ہو وہ پہنچنے والا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ اہلِ مدینہ دیوانہ وار حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے اور فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھی۔

یہ مقامِ قُبا تھا جسے حضورؐ نے اپنے قدموں سے برکت بخشی۔ قُبا مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی بستی کا نام ہے۔ آپ یہاں چار دن ٹھہرے اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ہاتھوں اسلام کی پہلی باقاعدہ مسجد کی بناء ڈالی۔

۱۲ ربیع الاوّل کو جمعہ کا دن تھا۔ حضورؐ قُبا سے سوار ہو کر بنی سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچے اور سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا۔

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر یثرب کی جنوبی جانب سے حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو اُس دن سے شہر کا نام مدینۃ النّبی قرار پایا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔

مدینہ میں حضورؐ کے استقبال کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد و زن، بچے اور بچیاں نورِ خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ بنی نجار کی لڑکیاں مسرّت و شادمانی کے گیت خوش الحانی اور ترنّم کے ساتھ گاتی اور ہاتھوں سے دف بجاتی ہوئی نکل آئی تھیں۔ وہ گا رہی تھیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ
اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

یعنی ؎

ان پہاڑوں سے جو ہیں سُوئے جنوب
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
شُکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

اس وقت حضور قصویٰ نامی اُونٹنی پر سوار تھے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضورؐ اسے میزبانی کا شرف بخشیں لیکن آپؐ نے فرمایا
"میری اُونٹنی کی باگ چھوڑ دو یہ جہاں رُک جائے گی وہیں ہم ٹھہریں گے۔"
اور قصویٰ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر رُک گئی۔
(بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

آج مکّہ کی بجائے مدینہ مہبطِ جبریل بن گیا۔ مکّہ والوں نے اس رحمتِ خداوندی کو رَدّ کر دیا تھا مگر آج اہلِ مدینہ اس رحمت کے حقدار بن گئے تھے۔

اہلِ مکّہ غیض و غضب کی آگ میں جل رہے تھے مگر مدینہ میں جشن کا سا سماں تھا وہاں ایک ایسا دن چڑھا تھا جس کی نظیر تکوینِ عالَم کے آغاز سے لے کر قیامت تک نہ ملے گی۔ خدا کے رسولؐ نے انہیں یہ اعزاز بخشا تھا کہ مدینہ کو اپنا مسکن اور دار الہجرۃ بنائے۔

مدینہ میں پہلی اسلامی سلطنت کی خشتِ اوّل رکھی گئی جو تمام جہان کے لئے مشعلِ راہ بنی۔ ابنائے دُنیا خدا کے رسولؐ کے گھر سے اس بے کسی کے عالَم میں نکل جانے کو نشانۂ تضحیک بناتے ہوں گے مگر خدا کی تقدیر کی اُنگلی اس وقت کی طرف اشارہ کر رہی تھی جب یہی رسولؐ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ شان سے مکّہ میں داخل ہونے والا تھا۔

تاریخ کا دھارا مُڑ چکا تھا۔

ہم

جناب عبدالمنان ناھید

عزم جواں ہے، صبحِ درخشاں ہے اور ہم
ہر چار سُو نمودِ بہاراں ہے اور ہم
مایوسیوں کی رات میں ہم آس کے چراغ
کیا عالمِ فروغِ چراغاں ہے اور ہم
اپنا خرام صورتِ ابرِ بہار ہے
کوہ و دمن ہے ریگِ بیاباں ہے اور ہم
ہر روز اپنی سعیٔ مسلسل پہ خندہ رُو
ہر رات ایک دیدۂ گریاں ہے اور ہم
ہر آن سُوئے منزلِ جاناں رواں دواں
اِک کارواں ہے اور ہم

خالد احمد طارق ۔ ربوہ

حضرت سیدنا نور الدین نوّر اللہ مرقدہٗ کو خدا تعالیٰ نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپکی ان خوبیوں میں سے ایک نمایاں وصف آپ کا اندازِ تکلّم تھا۔ آپ کی گفتگو بڑی مختصر لیکن برجستہ ہوتی جس میں معانی کا ایک بحرِ عمیق پنہاں ہوتا۔ آپ کی یک جُنبشِ لب ہزاروں تقریروں پر حاوی ہوتی تھی۔ آپ نے مناظرہ کا رنگ بدلا اور لمبے سے لمبے اعتراضوں کے جواب آپ چند لفظوں یا جملوں میں یوں بیان فرماتے کہ سُننے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ آپ کی اِس خوبی کے بے شمار نمونے آپ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب مرقاۃ الیقین کے باب عطر مجموعہ میں درج کئے گئے ہیں جو بے نظیر دلائل و براہین کا مرقع ہیں۔ ان میں سے چند بطور نمونہ پیش ہیں :-

آپ فرماتے ہیں :-

(۱)

"میں ایک مرتبہ سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین پڑھ رہا تھا کہ ایک مسیحی جو بڑا آدمی تھا آگیا اُسنے اعتراض کیا کہ مولوی صاحب ہم پر تو بڑا ظلم ہے کہ اسلام نے ہماری لڑکیاں تو تم کو دلا دیں اور تمہاری لڑکیاں عیسائیوں کو نہ دینے دیں۔ میں نے کہا کہ تم کو معلوم نہیں اِس میں ایک بڑی پیشگوئی ہے خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عیسائی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں گے پس مسلمانوں کو کہا کہ تم اپنے حاکموں پر بدظنّی نہ کرو لیکن وہ بغاوت وغیرہ کی بدظنّی تم پر کریں گے اِس لئے تم ان کی لڑکیوں سے شادی کر لو تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہماری تو لڑکیاں مسلمانوں کے گھروں میں ہیں یہ اگر بغاوت کے منصوبے بھی کریں گے تو ہم کو فوراً معلوم ہو جائیں گے۔ یہ سُنکر وہ خاموش اور حیران رہ گیا۔"

(۲)

"مجھ سے ایک آریہ نے اعتراض کیا کہ تم قبلہ کی سمت کو کیوں معزز سمجھتے ہو اور نمازوں میں

اُس طرف کو مُنہ کرتے ہو۔ مَیں نے کہا کہ ہَوَن[۱] کرتے وقت تم اُس طرف پُشت کیوں نہیں کر لیتے پھر جب اب تم نے مجھ سے بات کی تو میری طرف پُشت کیوں نہیں کی۔ کہنے لگا اب کبھی یہ اعتراض نہیں کروں گا۔"

(۳)

"ایک سراؤگی (جینی) کے کیڑے پڑ گئے۔ مَیں نے تیزاب ڈال کر ان تمام کیڑوں کو ہلاک اور زخم کو صاف کیا۔ وہ مجھ کو بڑی دعائیں دینے اور کہنے لگا کہ مہاراج بڑی کرپا ہوئی۔ مَیں نے کہا کرپا کیا خاک ہوئی تمہارے مذہب پر تو پانی پھر گیا ایک جیو کے عوض میں ہزاروں جیو ہلاک ہوئے۔"

(۴)

"ایک وکیل نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہستی باریتعالیٰ کی دلیل کیا ہے؟

مَیں نے کہا تمہاری کوئی جماعت ہے؟ کہا نہیں۔

مَیں نے کہا تم کسی کے ہادی ہو؟ کہا نہیں۔

مَیں نے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ جھوٹے مشہور ہو جاؤ؟ کہا نہیں۔

مَیں نے کہا جب تم جیسا لچر آدمی بھی اپنے آپکو جھوٹا کہلانا پسند نہیں کرتا تو بھلا یہ انبیاء کرام کی تمام جماعت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ وہ جھوٹ بولیں پھر مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لیکر جنوب تک اور ہر زمانہ کے نبی متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے مکالمہ کرتا ہے۔"

(۵)

"ایک مرتبہ مہاراجہ کشمیر نے مجھ سے کہا کہ کیوں مولوی جی تم ہم کو تو کہتے ہو کہ تم سؤر کھاتے ہو اسلئے بیجا حملہ کر بیٹھتے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ انگریز بھی تو سؤر کھاتے ہیں وہ کیوں اِس طرح ناعاقبت اندیشی سے حملہ نہیں کرتے۔ مَیں نے کہا کہ وہ ساتھ ہی گائے کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں اُس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہ سُنکر خاموش ہی ہو گئے اور پھر دو برس تک مجھ سے کوئی مذہبی مباحثہ نہ کیا۔"

(۶)

"سورۃ المرسلات پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت آئی فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہاری ساری حدیثوں کا تو رَدّ ہو گیا۔ مَیں نے کہا تیری اِس بات کا بھی رَدّ ہو گیا۔"

(۷)

"ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ہم تم کو عملِ تسخیر بتائے دیتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے وسخّر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعا منہ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے ہم نے تمہارا مسخّر بنا دیا ہے۔ اب اس سے زیادہ آپ مجھ کو کیا بتائیں گے! سُنکر حیران سا رہ گیا۔

[۱] ہندوؤں کی مذہبی رسم جس میں منتر پڑھتے ہوئے آگ میں گھی ڈالتے ہیں۔

رشتہ خدا سے جوڑ کے ہرگز نہ توڑیئے

جناب محمد صدیق امرتسری۔ ربوہ

رشتہ خدا سے جوڑ کے ہرگز نہ توڑیئے
تا زندگی نہ مُنہ کبھی پھر اُس سے موڑیئے

تسمے کی بھی طلب ہو تو اس سے ہی مانگیئے
غیروں کے سنگِ در پہ نہ سر اپنا پھوڑیئے

عہدِ وفا نبھائیے جیسے بھی ہو سکے
دِل جس کو دے دیا ہو نہ پھر اس کو چھوڑیئے

مت توڑیئے کبھی بھی کسی بے نوا کا دِل
جو ٹوٹ جائے اس کو بہر طور جوڑیئے

دلجوئی ہر رہینِ شبِ غم کی کیجیئے
لیکن جو سو رہا ہو اُسے مت جھنجوڑیئے

دُکھ دے کبھی کوئی تو اُسے بخش دیجیئے
بدلے میں آپ اُس پہ مظالم نہ توڑیئے

خُوگر زباں سدا رہے قولِ سدید کی
حق بات کو نہ جُھوٹ کی صُورت مروڑیئے

تلقینِ خیر ہر کس و ناکس کو کیجیئے
عصیاں کے ارتکاب سے عاصی کو موڑیئے

عیدین مسیحیت کی اصلیت!

ایسٹر اور کرسمس کا ایک محققانہ جائزہ

(مکرم محمود نصراللہ صاحب۔ ڈسکہ)

زمانہ قدیم سے ہر مذہب میں "مقدس تہوار منانے" کا عنصر چلا آ رہا ہے۔ ہر مذہب کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس میں مختلف قسم کے "تہوار منانے" کا تصور موجود رہا ہے۔ یہ تصورات مختلف اقسام میں منقسم ہیں مگر عموماً ان کے پیچھے دو بڑے نظریات کارفرما نظر آتے ہیں۔

اوّل:- ان تہواروں کا مقصد کسی شخصیت کے متعلق کسی خاص واقعہ کا بیان ہوتا ہے۔ اور وہ تہوار اپنے مقدس الٰہی صحف سے اپنے حق میں کوئی گواہی نہیں رکھتے۔ بلکہ کسی نہ کسی خاص دور میں آکر ان کا "اجرا" کیا جاتا ہے اور بعد میں وہ اس مذہب کا جزوِ لاینفک بن جاتے ہیں۔

دوم:- ان تہواروں کا مقصد کسی عظیم الشان الٰہی فلسفے یا الٰہی حکمت کا بیان ہوتا ہے ان کا مقصد کسی خاص شخصیت کو امتیازی حیثیت بخشنا نہیں ہوتا۔ اس قسم کے تہوار اپنے حق میں اپنی مقدس کتاب سے گواہی رکھتے ہیں۔ یہ تہوار بعد کی کسی "کونسل" یا "ممبرانِ کونسل" کے ذہنی تخیل کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا زمانہ اجرا ان کے مقدس اور الہامی مذہب کے زمانہ نزول سے وابستہ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا معیاروں پر پرکھ کر ہم کسی بھی مذہب کے مقدس تہواروں کے بارہ میں ان کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور اس طریقہ سے اس مذہب کی تصدیق یا تکذیب کر سکتے ہیں۔

اوّل ہم مسیحیت کے دو مقدس تہواروں کو ان معیاروں پر پرکھتے ہیں تاکہ ان کے بارہ میں صحیح رائے قائم کر سکیں لیکن اس سے پہلے شخصی اہمیت والے تہواروں کے متعلق کتاب مقدس کی رائے درج کرتے ہیں۔

کتاب مقدس اور شخصی اہمیت والے تہوار

کتاب مقدس نے کہیں بھی کسی ایسے دن کو

بطور یادگار منانے کا حکم نہیں دیا۔ جس کا تعلق
کسی انسان کو معبودانہ رتبہ عطا کرنے سے ہو۔
اور جس سے کسی مخلوق کو "معبودانہ تعظیم" حاصل
ہوتی ہو بلکہ جا بجا اس قسم کے رویّے کی نفی کی
گئی ہے۔ قارئین بطور نمونہ مندرجہ ذیل مقامات کا
مطالعہ فرما کر صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔

(۱) عہد نامہ عتیق :- یرمیاہ ۱۷/۵-۷
(۲) عہد نامہ جدید :- اعمال ۱۰/۲۵-۲۶، ۱۴/۱۱-۱۵، رومیوں ۱/۲۵، مکاشفہ ۱۹/۱۰

ان آیات میں کسی مخلوق کو "سجدہ کرنے" سے
اور اُس کی "پرستش کرنے" سے لے کر کسی انسان پر
"توکل" کرنے اور اُسے اپنا بازو بنانے تک کی
نفی کی گئی ہے۔ بلکہ اگر ذرا بھی تدبر سے کام لیا
جائے تو ان آیات میں کسی بھی ایسے واقعہ کو بطور
تہوار منانے کے عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے۔
جس سے کسی عاجز انسان کو تختِ الوہیت کا وارث
قرار دینے میں مدد ملتی ہو۔ اور یہ بیان کرنے کی
ضرورت نہیں کہ "مُردوں میں سے جی اُٹھنا" وغیرہ
اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

بائیبل سے شخصی عظمت والے دن منانے
کی نفی کرنے کے بعد ہم عمومیت کے رنگ کو ترک
کرتے ہیں اور خصوصاً "ایسٹر" کے متعلق چند
گزارشات پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

(۱) ایسٹر یا قیامتِ مسیح

مسیحی مسلّمات کی رُو سے یہ تہوار یسوع مسیح
کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی یاد میں منایا جاتا
ہے۔ چونکہ یہ واقعہ صریحاً کسی شخصیت کی ایک
حیرت انگیز صلاحیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
اس لئے یہ ہمارے بیان کردہ دو معیاروں میں
سے پہلے پر پورا اُترتا ہے۔ اور ہرگز "مقدس
تہوار" کہلانے کا حقدار نہیں۔

کتاب THE TRUTH THAT LEADS TO THE ETERNAL LIFE
بائیبل اور ایسٹر کے مابین تعلق کی یوں وضاحت
کرتی ہے :-

"لفظ ایسٹر جو کنگ جیمس بائیبل
میں اعمال ۱۲ : ۴ میں آتا ہے وہ
لفظ "پاس اوور" یعنی عید فسح کا غلط
ترجمہ ہے۔ اعمال ۱۲ : ۴ کے جدید
بائیبلی ترجموں کو یا دی ویسٹ منسٹری
ڈکشنری آف دی بائیبل کے صفحہ ۱۴۵
کو دیکھیں۔ کیتھولک ڈوئے بائیبل
میں "ایسٹر" کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔"
(صـ ۱۴۹)

علاوہ ازیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں
لکھا ہے کہ :-

"نئے عہد نامے میں ایسٹر کا تہوار
منانے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔۔۔
۔۔۔ خاص اوقات کی تقدیس کا
تصور قدیم مسیحیوں کے ذہنوں

سے عنقا تھا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا
۱۹۱۰ء جلد ۸ صفحہ ۸۲۸)

چونکہ مندرجہ بالا تحریروں سے ایسٹر کے حق میں
کتاب مقدس سے کوئی گواہی ثابت نہیں ہوتی لہذا
یہ معیارِ دوم پر پورا نہیں اُترتا اور یادگاری دن
کہلانے کا حقدار نہیں۔

"ایسٹر اور بہار کی دیوی آسٹرہ"

اِس قسم کے دن منانے کا رواج عہد قدیم
سے جاری ہے۔ اہلِ ایران میں نوروز، ہندوؤں
میں بسنت وغیرہ وغیرہ۔ مصر اور آئرلینڈ میں ایک
دیوی جو کہ بہار کی دیوی کہلاتی ہے اس کی پرستش
کا رواج چلا آرہا ہے۔ اسی دیوی کا نام آسٹر
ہے۔ اور جس دن کو ایسٹر منایا جاتا ہے اُسی دن
کو اُس کی پرستش کرنے کی رِیت تھی۔ یہ دیوی سامی
اقوام میں "ایشنز" یا "استارتہ" کہلاتی ہے۔

ایسٹر کی سیرت "بابلی" ہے

ڈاکٹر الیگزنڈر سلوپ لکھتے ہیں:۔

"مروّجہ رسوم جو ابھی تک اس
یادگار کے عرصہ میں منائی جاتی
ہیں وہ تاریخ کی اس شہادت کی
کافی تصدیق کرتی ہیں کہ اسکی سیرت
بابلی ہے۔ گڈ فرائیڈے کے میٹھے کلیچے
جن پر کراس (صلیب) کا نشان
بنا ہوتا ہے اور فسح یا ایسٹر سنڈے
کے رنگے ہوئے انڈے کلدانی (بابلی)
مذہبی رسوم میں خوب نمایاں تھے۔
جیسے وہ اب نمایاں ہیں۔"
(ٹو بابلینز صفحہ ۱۰۷-۱۰۸)

اِن سطور سے اظہر من الشمس ہے کہ "ایسٹر"
"مسیحی مقدس تہوار" نہیں ہے بلکہ اِس کا تعلق
"بہار کی دیوی آسٹر" سے ہے اور اس کی سیرت
بابلی ہے۔ یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ اس کا
اجراء مسیحیت کے زمانہ بعثت میں نہیں بلکہ ایک
خاص دَور میں ہوا ہے اس لئے یہ قسم اوّل میں
آتا ہے اور "مقدس تہوار" کہلانے کا حقدار نہیں۔

(۲) کرسمس یا عیدِ ولادتِ مسیح

کرسمس اور شخصیّت پرستی:۔

کرسمس یعنی حضرت یسوع مسیح کی
ولادت کو کون سا ایسا اعجاز حاصل ہے جس سے
ایک باقاعدہ تہوار کا اجراء ہو جائے۔ ہمارے مسیحی
بھائی اُن کے باپ کے بغیر پیدا ہونے کو بطور اعجاز
کے پیش کرتے ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ کتابِ مقدس
سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ بائیبل کے مطابق
آدم اور ملک صادق سالیم دونوں بغیر ماں باپ کے
پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ واقعات زیادہ اعجاز کے
حامل ہیں۔

لہذا اس دن کا بطور مقدس تہوار کے منایا جانا

صریحاً شخصیت پرستی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بات دہرانے کی ضرورت نہیں کہ بائیبل شخصیت پرستی کی نفی کرتی ہے۔

کتاب مقدس اور کرسمس:۔ کتاب مقدس کے مطالعہ کے دوران ہمیں صرف اور صرف دو ہستیوں کے جنم دن منانے کا تذکرہ ملتا ہے:۔

(۱) مصر کا فرعون (پیدائش ۴۰/۲۰-۲۲)

(۲) ہیرودیس انتپاس (متی ۱۴/۶-۱۰)

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں جھوٹے مذاہب کے پابند تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بائیبل کی رُو سے جنم دن منانا غلط ہے۔ مگر اگر پھر بھی کوئی شخص "میں نہ مانوں" کی گردان الاپنے پر تُلا ہوا ہو تو ہم اُسے کرنتھیوں ۱۱/۲۵،۲۶ پر غور کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں کو اپنی پیدائش کے دن کو نہیں بلکہ موت کے دن کو بطور یادگار منانے کو کہا تھا۔ چنانچہ یہ تہوار بھی کتاب مقدس سے کوئی گواہی نہیں رکھتا اور ہرگز معیارِ دوم پر پورا نہیں اُترتا۔

حقیقی یوم ولادت مسیحؑ از رُوئے بائیبل

۲۵ دسمبر کے "یوم ولادت مسیحؑ" قرار پانے کی تاریخ بیان کرنے سے پیشتر ہم کتاب مقدس میں مندرج ولادت مسیحؑ کے حالات پر غور کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ انجیل لوقا باب دوم کی آیت ۹ اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اور اس میں لکھا ہے کہ:۔

"اُسی علاقہ میں چرواہے تھے۔
جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے
گلہ کی نگہبانی کر رہے تھے۔"

یہ آیت اس حقیقت پر دال ہے کہ مسیحؑ کی ولادت موسم سرما میں نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ موسم سرما میں کھلے میدان میں چرواہوں کا اپنے گلے کی نگہبانی کرنا ناممکن ہے۔

ہمارے موقف کی تائید مندرجہ ذیل بیانات سے بھی ہوتی ہے کہ:۔

(۱) "وہ سردی کے ٹھنڈے اور برساتی موسم میں وہاں باہر نہیں رہتے ہونگے"
(لوقا ۲/۸-۱۲)
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۰۷ء
جلد ۵ صفحہ ۶۱۱ بحوالہ سچائی جو ابدی زندگی ہے)

(۲) "اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح سردی کے موسم میں پیدا نہیں ہوا۔"
(IN THE FOOT PRINTS
OF THE APOSTLES.
P.168)

(۳) "JESUS WAS NOT
BORN ON DECEMBER
25, AS IS GENARALLY

SUPPOSED; BUT HIS BIRTH OCCURED ABOUT THE FIRST OF OCTOBER."
(HARP OF GOD P. 91 By J. F RUTHERFORD)

علاوہ ازیں کتب "ہماری کتب مقدسہ" از جی۔ ٹی منسی اور "Studies in the Scriptures" P. 54 - Vol II میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

القرآن الحکیم نے مسیح کی ولادت کو کھجوروں کے موسم میں قرار دیا ہے۔ اس صداقت کے حق میں بے شمار شواہد دریافت ہو چکے ہیں

قدیم عیسائی اور کرسمس

لکھا ہے:۔

"کلیسا کے قدیم تہواروں میں کرسمس شامل نہ تھا۔۔۔۔ عید کی پہلی شہادت مصر سے ملتی ہے۔"
(دی کیتھولک انسائیکلو پیڈیا ۱۹۰۸ء جلد ۳ صفحہ ۷۲۴)

یوم ولادت مسیح کے متعلق چند قدیم نظریات

یوم ولادت مسیح کے متعلق بہت سے قدیم نظریات رائج رہے ہیں۔ جن کے مطابق دوسری صدی عیسوی میں سکندریہ کے کلیمنس نے ولادت مسیح کا دن ۲۰ مئی کو قرار دیا۔ اسی اثناء میں کلیسیا نے ۶ جنوری کا دن مسیح کے بپتسمہ کے دن کے طور پر منانا شروع کر دیا اور بعد میں اسی دن کو ولادت مسیح کا دن قرار دے دیا گیا۔ مشرقی کلیساؤں نے پانچویں صدی تک اسے نبھایا۔ اور یروشلم کی کلیسیا نے ۵۴۹ء تک اسے جاری رکھا۔ آرمینیہ کی کلیسیا آج بھی اسی تاریخ کو مستند تصور کرتی ہے لیکن جنوبی ہند کی سریانی کلیسیا نے ۷ جنوری کی تاریخ کو ترک کر کے اب "۲۵ دسمبر" کو قبول کر لیا ہے۔

۲۵ دسمبر بطور یوم ولادت مسیح

۲۵ دسمبر کو کس نے اور کیوں یوم ولادت مسیح قرار دیا۔ ان گم شدہ کڑیوں کو ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا کی یہ تحریر آپس میں ملاتی ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"۳۵۴ء میں روم کے بشپ لائبیرس نے لوگوں کو ۲۵ دسمبر منانے کا حکم دیا۔ اس نے غالباً یہ تاریخ اس لئے چنی کہ رومی لوگ پہلے ہی اسے کھیتی باڑی کی عید کے طور پر مناتے تھے۔ اور سورج کے جنم دن کو مانتے تھے۔"

۲۵ دسمبر "ساطرنالید" کی عید تھی

بُت پرست رومی اقوام اس دن کو "ساطرنالید" کی عید کے طور پر مانتے تھے۔ اس دن کے یوم ولادت مسیح قرار پانے کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"جب رومی حکومت مسیحی ہو گئی تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں نے اسی طرح اس بُت پرست عید کو بپتسمہ دینے" کی کوشش کی۔ بپتسمہ سو فیصدی کامیاب نہ ہوا۔ ساطرنالید نشہ بازی کیلئے مشہور تھا اور مغربی ممالک میں آج بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کہ عید ولادت پر بہت زیادہ شراب پیتے ہیں"۔

(in The footprints of The Apostles P. 169)

کرسمس کی رسوم غیر مسیحی ہیں

محققین نے اقرار کیا ہے کہ کرسمس کی رسوم "غیر مسیحی اور غیر اقوام" کی ہیں اور ان کا مسیحی سپرٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"کرسمس کی رسوم میں بہت ساری جو ابھی تک رائج ہیں وہ اصلی مسیحی رسوم نہیں بلکہ بُت پرستوں کی رسوم ہیں جو کلیسیا نے قبول کر لیں یا روا رکھیں۔

... روم میں سٹرنیلیا کے تہوار نے کرسمس اوقات کی اکثر رسوم کو رنگ رلیوں کے لئے نمونہ مہیا کر دیا تھا۔" دی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۳ صفحہ ۶۰۸-۶۰۹)

قارئین آگاہ ہیں کہ کرسمس پر مسیحی حضرات نہایت فراخ دلی سے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اس رسم کے شجرہ نسب کے بارہ میں لکھا ہے کہ:۔

"غیر قوم رومی عید سے اُدھار لی گئی رسوم میں تحائف دینا بھی شامل تھا۔" (دی انسائیکلوپیڈیا امریکانا ۱۹۵۸ء جلد ۵ صفحہ ۶۲۲ بحوالہ "سچائی جو ابدی زندگی ہے")۔

اس مقالہ میں دیئے گئے حوالجات کے لئے احباب "The Truth that leads to the eternal life" کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ امریکہ سے شائع شدہ ہے۔ اور دُنیا کی ۷۱ زبانوں میں ۴ کروڑ کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔

شخصیات

بابائے وجودیت
ژاں پال سارتر

جناب طارق احمد بٹ ۔ کراچی

"مَیں اپنی آزادی خود ہوں
جب مَیں خود کو نہیں دیکھ سکتا
تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

یہ الفاظ شہرہ آفاق فرانسیسی فلسفی ژاں پال سارتر کے ہیں۔ سارتر نے دوسری عالمی جنگ کے بعد اپنی ناول نگاری ڈرامہ نویسی اور اپنے فلسفہ کے ذریعہ ساری دُنیا بالخصوص سارے یورپ میں دُھوم مچادی تھی۔ بیس سے زائد ناولوں ڈراموں اور فلسفیانہ کتب و رسائل کا مصنّف سارتر وجودیت کے فلسفہ میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے دَوران جب فرانس پر نازیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو اس زمانے میں فرانس کو دوبارہ بیدار کرنے میں سارتر کا نمایاں حصّہ رہا۔ سارتر آخری عمر میں پیرس کے "مونٹ پارنا" کے علاقے میں اپنے اپارٹمنٹ میں خانہ نشین ہو گیا تھا لیکن اس دَوران بھی اکثر انقلابی طلباء کی تحریکوں کی رہنمائی اور ان کے جرائد کی ادارت کرتا تھا۔

سارتر ۲۱ جون ۱۹۰۵ء کو پیرس میں پیدا ہوا اس کے والد ایک بحری آفیسر تھے اور اس کے دادا پیری گورڈ کے ایک دیہی ڈاکٹر تھے۔ سارتر جب دو سال کا تھا تب اس کے والد فوت ہو گئے۔ سارتر کی زندگی کے ابتدائی دس سال ایسے تھے جن میں وہ ایک معمولی سا طالب علم ثابت ہوا لیکن بعد میں فلسفہ کے طالبِ علم کی حیثیت سے اس نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ سارتر ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہا۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء سے جنوری ۱۹۳۱ء تک اس نے میٹرولوجیکل ڈیپارٹمنٹ ٹورس میں فوجی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دو سال تک لی ہاروے میں معلّم کی خدمات انجام دیتا رہا ـــــ پھر میسن فرنکائز برلن میں دو سال تحصیلِ علم میں گذارے سارتر جرمن زبان بڑی روانی سے بول سکتا تھا۔ اس طرح اسے فلسفۂ وجودیت کے مطالعہ کا کافی موقع ملا اس نے ہیڈ گر اور جیرس کے فلسفۂ وجودیت اور ہسورل کے فلسفۂ مظہریت کا کافی مطالعہ کیا۔ ان علوم کی مدد سے اس نے آزادی اور ذمّہ داری سے متعلق اپنے تصوّرات مرتّب کئے اور انہی تصورات کی بدولت (۱۹۴۰ سے ۱۹۵۰ء میں) وہ اپنے وقت کا مشہور و معروف

فلسفی بن گیا۔

ژاں پال سارتر نے ہائیڈگر کے مطالعہ کے بعد اس سے انحراف کیا اور اپنے فکر کی بنیادوں کو مارکسزم پر استوار کرتے ہوئے ہائیڈگر پر تنقید کی لیکن اسنے ہائیڈگر کے بنیادی مفروضوں کو چیلنج نہیں کیا۔

ارسطو سے کانٹ تک فلسفے اور اس فلسفے سے پیدا شدہ معاشرے کا اصولِ حرکت وہی رہا ہے جو ارسطو نے متعین کر دیا تھا۔ وائٹ ہیڈ کا کہنا ہے کہ

"مغربی فلسفے کی ساری تاریخ ارسطو کے فلسفے کی وضاحتی سطور کا نام ہے۔"

سارتر نے اس طویل ترین دَور کے تین حصے کر دیئے ہیں اور کہا ہے کہ "اس دَور میں سماجی پریکس (PRAXIS) یعنی ثقافتی اظہار تین تبدیلیوں سے گذرا۔ ارسطو ـــــ ڈیکارٹ اور کانٹ ـــــ ارسطو نے غلام معاشرے کو جنم دیا یا دوسرے لفظوں میں ارسطو اس سماجی عمل کو عقلی بنیادیں فراہم کر رہا تھا جو غلام داری کا معاشرہ تھا اور ڈیکارٹ جاگیرداری کو اور کانٹ سرمایہ داری کو۔"

سارتر نے انسانی سماج کی ترقی اور آگے بڑھنے کے اصول کی درجہ بندی کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی ذہن کے ارتقاء کی بھی نشان دہی کی ہے۔

سارتر نے زندگی بھر مصلحتوں سے سمجھوتہ نہیں کیا اور جو کچھ وہ صحیح سمجھتا رہا اس کا اظہار اپنی تحریروں اور عمل کے ذریعہ کرتا رہا۔ الجزائر کے مسئلہ پر اس نے فرانسیسی ہوتے ہوئے بھی حکومتِ فرانس کی مذمت کی اور اسے ہلا کر رکھ دیا۔ ۱۹۶۴ء میں جب اسے نوبل پرائز دیا گیا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ یہ انعام پاکر خود "انجمن" نہیں بننا چاہتا۔

اس نے ساری عمر کوئی سرکاری اعزاز قبول نہیں کیا۔ فرانس کے صدر جسکارڈ دیستان نے سارتر کی وفات پر کہا:۔

"سارتر نے چونکہ سرکاری اعزاز قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لئے بحیثیت صدر فرانس میرا خراجِ عقیدت پیش کرنا کم نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دوسری جنگِ عظیم کے بعد سارتر کی تحریروں کے ایک قاری کی حیثیت سے سارتر کی موت میرے لئے اس دَور کے ایک عظیم درخشاں ستارے کی موت ہے۔"

ذہنی دیانتداری نے اس کی تحریروں میں وہ خلوص اور گرمئ اثر پیدا کیا جس نے اس کے دَور کو انقلابی انداز میں متاثر کیا۔ سارتر کو دنیا "بابائے وجودیت" کے نام سے جانتی ہے۔

وجودیت کا فلسفہ یہ ہے کہ "انسان کی ذات سے بالا کوئی دوسری ذات نہیں۔ ذات کا عرفان ہی اس کے وجود کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اس دنیا میں جہاں وہ پھینک دیا گیا ہے، جہاں آلام ومصائب اور خوف ہے اور انسان قدم قدم پر اپنے فیصلوں کو ٹالتا رہا ہے۔ جہاں فرد کو، ذات کو، خارجی اشیاء اور ان کا فلسفہ مسلسل کچلتا رہتا ہے۔ فرد کے لئے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خود کو وہ بنانے کے لئے عمل کرتا رہے جو وہ خود ہونا یا بننا چاہتا ہے۔"

عرفان ذات کے اس فلسفے نے دوسری جنگِ عظیم میں مبتلا انسان کے اندر زندگی کی نئی رُوح پھُونک کر ایک نیا اعتماد دیا۔ اس دَور میں فلسفۂ وجودیت نے شکست خوردہ، ذہنی طور پر پسپا اور جذباتی و اخلاقی سطح پر بکھرے ہوئے انسان کو ایک نیا راستہ دکھایا جس پر چل کر وہ اپنے حقیقی سرچشموں کو دریافت کر سکتا تھا۔ اس فلسفے نے مغربی دُنیا کے ان سارے روایتی فلسفۂ حیات اور اخلاقی اقدار کو مسترد کر دیا جنہوں نے بار بار انسانیت کو جنگ کی آگ میں جھونکا تھا۔

مشہور فلسفی ڈیکارٹ نے بنیادی اہمیت وجود کو دی ہے اور قدیم یونانی فلسفے میں بنیادی اہمیت سوچ کو دی گئی ہے۔ اب تک افلاطونی فلسفے کے مطابق مابعد الطبیعات کا یہ دعویٰ مسلّم تھا کہ وجود جوہر سے مقدّم ہے لیکن فلسفہ وجودیت نے اس دعوے کو اُلٹ دیا اور بتایا کہ:۔

"جوہر وجود سے مقدّم ہے جب کوئی چیز بنائی جاتی ہے تو اس کے بنانے والے کے ذہن میں نہ صرف اس کا ایک تصوّر، اس کے بنانے کا طریقہ، بلکہ یہ بھی کہ وہ اسے کس کام کے لئے بنا رہا ہے، پہلے سے موجود ہوتا ہے، لیکن انسان کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اس دُنیا میں پھینک دیا جاتا ہے اور اب وہ خود وہ بن جاتا ہے جو وہ خود کو بناتا ہے۔"

یہ بات کہہ کر وجودیوں نے تشکیل و تعمیر کی ساری ذمّہ داری خود انسان پر ڈال دی ہے۔ سارتر کے ایک ڈرامے "ان کیمرہ" کا کردار کہتا ہے کہ:۔

"جب مَیں خود کو نہیں دیکھ سکتا تو
مجھے حیرت ہونے لگتی ہے کہ واقعتاً کیا
مَیں زندہ بھی ہوں۔"

سارتر کی تحریروں میں کرب، بے چارگی اور یاس کے الفاظ بار بار استعمال ہوتے ہیں اور انسان کو قدم قدم پر انتخاب اور فیصلے کے کرب سے گذرنا پڑتا ہے۔

وجودیت کے مطابق انسان آزاد اور خود مختار رہنے کے لئے مجبور بنایا گیا ہے۔ سارتر کے ڈرامے "دی فلائیز" (مکھیاں) کا ایک کردار کہتا ہے:۔
"مَیں آزاد ہوں" —— اس بے چارگی کے بعد وہ انتخاب کا راستہ اختیار کرتا ہے جسے وہ خود بناتا ہے اور جس پر خود وہ چلتا ہے —— سارتر کہتا ہے:۔

"ہم اپنی ہستی کا فیصلہ خود کرتے
ہیں اور اس عمل سے ہمارا کرب دُور ہو
جاتا ہے۔"

سارتر اس نظریہ کا حامی نہیں تھا کہ دُنیا میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اس کے برعکس اس کا نظریّہ یہ تھا کہ نظامِ عالم میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے زبردست جدّ وجہد کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے اپنے پڑھنے والوں کو یہ تصوّر دینا چاہتا ہے کہ انہیں حادثاتی واقعات کے ذریعہ اپنی آزادی اور ذمّہ داری کا احساس ہونا چاہیئے۔ اس کے خیال میں ہر شخص نئی قدریں وجود میں لانے کے لئے

آزاد ہے لیکن اکثریت اس طرف سے غفلت برتتی ہے۔

سارتر اِس بات پر افسوس کا اظہار کرتا تھا کہ اشیاء کی اصل سے زیادہ ان کے نام کو اہمیت دی جاتی ہے۔ وہ اِس بات پر زور دیتا تھا کہ :-

"تم وہ ہو جو تم کرتے ہو!"

دوسرے لفظوں میں اشیاء کا علم خود ان کے اندر سے حاصل کرنے کا نام نظریۂ وجودیت ہے نہ کہ خارج سے حاصل کرنے کا۔

اشیاء کے مفہوم کا تعیّن آسان ہے کیونکہ اس کے بنانے والے اور استعمال کرنے والے اغراض ومقاصد کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک ہتھوڑے کی حیثیت اور اس کا مصرف کیا ہے ـــــ یہ معلوم کرنا مشکل نہیں لیکن آدمی کی حیثیت اور مفہوم کا تعیّن اس آسانی سے نہیں کیا جا سکتا خاص طور پر ایسی حالت میں جب کسی شخص کا خاندان دو متضاد اِزموں مثلاً لوتھر اِزم اور کیتھولک اِزم کا مرکب ہو ـــــ

سارتر اِس بات کا قائل نہیں کہ انسانی وجود بنانے والے نے اس کے وجود کا مفہوم متعیّن کر دیا ہے۔ وہ اسے انسانی وجود کی آزادی کے برعکس سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہی اس کے وجود کا مفہوم ہے۔

سارتر نے سابق فلسفیوں مثلاً سورین، کیرکیگارڈ، ایڈمنڈ ہسوری اور مارٹن ہیڈگر کے تصورات کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا کہ :-

"ہر شخص اپنا خالق آپ ہے، ہر شخص اپنا تشخص آپ قائم کرتا ہے اور اپنی زندگی کا مفہوم اپنے آزاد شعور کے فیصلوں کے مطابق آپ ہی متعیّن کرتا ہے۔"

سارتر نے دو چیزوں پر ہمیشہ زور دیا اور وہ دو چیزیں آزادی اور ذمہ داری ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ :-

"فیصلہ سازی میں یہی دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔"

وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ فیصلہ سازی میں صورتحال کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے لیکن فیصلہ کرتے ہوئے صورتحال کو بدلا بھی جا سکتا ہے اور یہی انسانی آزادی و ذمہ داری کا اظہار ہے۔

سارتر کے نزدیک فیصلہ سازی کا ایک اور بنیادی عنصر "صداقت" یعنی اپنی تمام خوبیوں اور کمزوریوں کے ساتھ اپنے وجود کے ساتھ سچا رہنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

"معاشرہ جب کسی کے اُوپر کوئی کردار مسلّط کر دیتا ہے اور وہ اس کردار کو اپنا حقیقی کردار سمجھ لیتا ہے تو اِس طرح وہ گویا اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ یہ ایک فریب ہے جو وہ اپنے آپ کے ساتھ روا رکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی اپنی شخصیت باقی نہیں رہتی بلکہ وہ ایک شئے بن کر رہ جاتا ہے۔ ـــــ فرد کو معاشرے کے اندر محض ایک شئے نہیں بننا چاہیئے بلکہ اس کے تشخص کا اظہار ہونا چاہیئے۔"

سارتر کہتا ہے :-

"مَیں اپنی اَنا کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتا لیکن اپنی اَنا کو فنا بھی نہیں کر سکتا۔"

سارتر کے ڈراموں اور ناولوں میں متوسط طبقے کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متوسط طبقے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ فرانسیسی بورژوا طبقے کو وہ سیاسی آزادی اور اخلاقی دیانتداری کا دشمن قرار دیتا ہے۔ وہ ایک فلسفی اور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست کے میدان میں بھی پیش پیش نظر آتا ہے اور اس کا سیاسی فلسفہ مارکسیت سے متاثر دکھائی دیتا ہے۔

۱۹۵۲ء میں اس کا بیشتر وقت فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کو آزادی دلانے کی جدّوجہد میں صَرف ہوتا رہا ۱۹۵۶ء میں اس نے ہنگری میں روسی مداخلت کی شدّت سے مذمت کی۔ پھر ۱۹۶۸ء میں چیکوسلواکیہ پر روسی حملے کی بھی اس نے سخت ترین الفاظ میں مذمّت کی۔

سارتر نے ۱۹۶۰ء میں ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس نے کلاسیکی مارکسیت میں اپنے تصوّر وجودیت کو شامل کر کے مارکسیت کو آزادانہ تحریک بنانے کا نظریہ پیش کیا۔ اسی طرح اس نے انسان سے متعلق ایک ایسا نظریہ پیش کیا جو مارکسیت کے عام نظریے کے خلاف تھا۔

۱۹۵۴ء میں جب الجزائر کی جنگ چھڑی تو سارتر فرانس میں نو آبادیاتی علاقوں کی آزادی کا ترجمان بن گیا۔ سارتر شروع ہی سے ذہنی بیداری کا حامی رہا چنانچہ دوسری عالمی جنگ کے دَوران ۱۹۴۰ء میں اسے اپنے بیدار ذہن اور آزاد خیالی کے باعث قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑی تھیں۔ اس کی ذہنی بیداری نے اسے الجزائر کی جنگ آزادی میں الجزائر کی آزادی اور فرانس کی حکومت کی مخالفت پر آمادہ کر دیا اور وہ الجزائر کی آزادی کا فرانس کے اندر بہت بڑا مبلّغ بن گیا۔

۱۹۶۰ء میں سیاسی امور میں سارتر کا حصّہ تیز تر ہو گیا۔ اب وہ نہ صرف فرانس بلکہ دُنیا میں کہیں بھی ہونے والی سیاسی دھاندلی کی مخالفت میں پیش پیش نظر آتا۔ سارتر وہ پہلا شخص تھا جس نے ۱۹۶۵ء میں ویتنام سے متعلق امریکن پالیسی کی شدید الفاظ میں مذمّت کی۔ اس کے بعد سے تین سال تک اس کا زیادہ تر وقت ویتنام کی حمایت اور امریکہ کی مخالفت میں گذرا۔ اس نے ویتنام میں امریکہ کے جنگی جرائم کے "رسل ٹربیونل" کی رکنیت بھی اختیار کی۔

سارتر نے اپنا فلسفۂ وجودیت کے اشتراک سے کمیونزم کو نیا رُخ دینے کی جو کوشش کی اس سے اِس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ ہجوم کے پیچھے بھاگنے کے بجائے انفرادیت کا قائل تھا اور جس بات کو غلط سمجھتا تھا اس کی بڑی دلیری سے مخالفت کرتا تھا اور ایسا کرتے ہوئے یہ دیکھنے کا قائل نہیں تھا کہ مخالفت کی زد کس پر پڑتی ہے۔ اپنی راہ پر چلنے کا جو عزم اس کے اندر تھا اس نے اسے سراپا احتجاج بنا کر رکھ دیا تھا۔

سارتر ایک بڑا سیاح بھی تھا۔ اس نے دُنیا کے طویل سفر کئے اور اپنے تاثرات کو تحریروں

کی شکل میں چھوڑا ہے جن میں انقلابِ چین (۱۹۵۵)
اور کیوبا (۱۹۵۹) قابلِ ذکر ہیں۔

سارتر مظلوموں کی دادرسی کا علمبردار تھا۔ وہ
اِس بات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی طاقتور
ملک خواہ وہ اس کا اپنا ہی ملک کیوں نہ ہو کسی دوسری
قوم کی آزادی غصب کرلے اور کسی کو کمزور سمجھ کر
اس کے ساتھ دھاندلی اور ناانصافی کرے۔

سارتر ذہین فلسفی، منفرد ادیب، اعلیٰ درجے
کا صحافی اور سیاسی ایجی ٹیٹر (AGITATOR) تھا
اب جبکہ فلسفے کا روایتی تصوّر ختم ہوتا جارہا تھا سارتر
نے اپنے فلسفیانہ نظام کی تشکیل کی اور جمالیات میں
نئی راہیں استوار کیں۔ اس نے یہ بتانے کی کوشش
کی کہ شعر ہو یا تصویر، سائنس ہو یا فلسفہ، اخلاق
ہو یا سیاست، ان کو انسانی زندگی سے جُدا نہیں
کیا جاسکتا اور ان کے حقائق کو سمجھنے کے لئے ان کے
بنیادی تصوّرات کی تفہیم کے لئے اساسی شرط خود انسان
کو سمجھنا ہے۔

سارتر کہتا ہے :۔

"میں وہ نہیں جو ہوں بلکہ وہ ہوں
جو میں ہونے جارہا ہوں "

گویا میرا وجود مستقبل سے عبارت ہے ـــــ
مستقبل موجود نہیں یعنی معدوم ہے اور اس معدوم
حقیقت کو کوشش اور عمل سے موجود کرنا ہے ـــــ
ہماری ساری زندگی گویا معدوم کو موجود کرنے کا عمل
ہے اور یہ عملیت ہمہ دم جاری وساری کارروائی ہے۔

سارتر کہتا ہے :۔

"آزادی کے بغیر سیاسی آزادی کا
تصوّر ایسے ہے جیسے مدور شیشے میں
خطِ مستقیم کھینچا جائے "

یعنی وہ سیاسی آزادی کو معاشی آزادی
سے جُدا نہیں کرتا۔

سارتر کہتا ہے :۔

"عالمِ خارجی و طبعی حقائق فرد کے لئے اپنی
عملیت کا سیاق پیش کرتے ہیں۔ عالمِ خارجی احتیاجات
کی تشفی کی دُنیا ہے لیکن نہ احتیاجات ختم ہوتی ہیں نہ
ان کی تشفی تکمیل کو پہنچتی ہے ـــــ احتیاجات کی تسکین
طبعی عالم میں ہوتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں جدّ وجہد
کرنی پڑتی ہے اور اس طرح ہماری زندگی کا نام
"کام" ہوجاتا ہے، اس کے ہم غلام ہوجاتے ہیں!"

یعنی انسان خود کو استعمال کرکے ہی اپنی
خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہے اور دُنیا کو استعمال
میں لاسکتا ہے لیکن اس کی تشفی کے عمل میں ہمیشہ
دوسرے کا وجود مزاحمت پیدا کردیتا ہے ـــــ
وسائل کی کمی اور خواہشات کی کثرت ہمیشہ جنگ
کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور اس طرح لوگ ایکدوسرے
کو جُدا کرتے چلے جاتے ہیں۔

سارتر کہتا ہے :۔

"آدمی اپنے عمل سے پہچانا جاتا ہے اور
دوسروں کی تعریف و تنقید سے اس کی ذات متأثر
نہیں ہوتی اور نہ ہونی چاہیئے، آدمی کو تحسین کی نہیں

عمل کی ضرورت ہے۔"

ایک اور جگہ سارتر کہتا ہے :۔

"ہر انسان انسان ہے لیکن وہ کیسا انسان ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے — یہ صحیح ہے کہ بعض انسانوں کے حالات نامساعد ہوتے ہیں۔ وہ غریب ہوتے ہیں یا بیمار رہتے ہیں۔ دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ غریب اپنی غریبی کو کیسے لیتا ہے اور بیمار اپنی بیماری کو کیسے برداشت کرتا ہے اور اس امر کا ذمہ دار خود غریب یا بیمار ہے۔"

وراثت کے بارے میں سارتر کہتا ہے کہ :۔

"وراثت اور مادی کوائف فی نفسہ اہم نہیں ہوتے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ لوگوں کا رویہ انکے متعلق کیسا ہے — ہم بسا اوقات سماجی اور تمدنی حالات کا رونا روتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے تنزل کا باعث یہ حالات ہیں حالانکہ لوگوں نے نامساعد حالات میں بھی ترقی کی ہے۔ غریب گھروں سے مفکر اور رہنما پیدا ہوئے ہیں۔ مانا کہ ان کے دماغ اچھے تھے لیکن اس کے ساتھ جو انہوں نے محنت کی اور جو نفسیاتی رویہ اختیار کیا اسے نہیں بھولنا چاہیئے۔ ترقی کا دارومدار وجودیت کے مطابق نفسیاتی کوائف پر ہے نہ کہ حالات پر۔"

وجودیت کا زور آزادی پر ہے لیکن آزادی پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک آدمی کی آزادی دوسرے آدمی کی آزادی کے منافی نہیں ہو سکتی۔ سارتر کہتا ہے :۔

"آپ خوشی سے اپنی چھڑی کو گھما سکتے ہیں لیکن یہ آزادی وہاں ختم ہو جائے گی جہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے۔ اگر آپ کی چھڑی میری ناک کو لگ گئی تو میری آزادی خطرے میں پڑ جائے گی اور میں اس کی حفاظت کروں گا۔"

جن دوستوں کا چندہ ختم ہے اُن سے درخواست ہے کہ وہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی چندہ بھجوا کر ممنون فرمائیں وی پی نہ منگوائیں کیونکہ وی پی پر چھ روپے زائد خرچ آتے ہیں۔ (مینجر ماہنامہ خالد و تشحیذ الاذہان۔ ربوہ)

رجسٹرڈ
مضبوطی میں بے مثال
کارکردگی میں لاجواب
HERCULES
ٹریڈ مارک
ہرکولیس
امپورٹڈ میٹریل سے تیار شدہ
HERCULES
ہر قسم کی گاڑیوں کے سلنسر پائپ، سلنسر بکس اور پٹہ کمانی سپیشلسٹ
میاں بھائی
۱۰ منٹگمری روڈ، لاہور۔ فون نمبر۔ 305396-305404

هُوَ النَّاصِرُ
اعلیٰ معیار کے زیورات خریدنے اور بنوانے کیلئے
الکریم
جیولرز
اینڈ ڈائمنڈ مرچنٹس
فون ۶۸۵۵۱۱
بازارِ فیصل کریم آباد (چورنگی) کراچی
پروپرائٹر:۔ میاں عبداللطیف شاہ کوٹی اینڈ سنز

UNIVERSAL
VOLTAGE STABILIZER
STAVAL S-7
VOLTAGE STABILIZER
OFF ON
UNIVERSAL
FOR
REFRIGERATORS
DEEP FREEZERS T.V. &
AIR-CONDITIONERS
یونیورسل الیکٹرونکس
۲۲-یسین سٹریٹ
ہال روڈ- لاہور فون: ۶۱۷۶۵
۵۷۴۹۰

(سمندری کائی)

جناب محمد امجد اسلم - چک ۱۹۶ مراد ضلع بہاولنگر

انسان جب سے اس فانی کائنات میں وارد ہوا ہے اس کا تعلق پودوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ رہا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پودوں کے بغیر زندگی کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ انسان اور حیوان ہر دو کا وجود ان ہی سے وابستہ ہے۔

جاندار اور پودے دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ہم روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ پودے آکسیجن چھوڑتے ہیں جو جانداروں کے کام آتی ہے۔

انسان اور پودوں کا باہمی رشتہ صدیوں سے استوار ہے۔ یہ پودے ذی رُوح مخلوقات سے پہلے وجود میں آئے۔ تمام ماہرینِ نباتات کا اتفاق ہے کہ تمام پودے نیل گوں ایلجی سے پیدا ہوئے ہیں لیکن ارتقائی منازل سے یہ موجودہ دَور کے پودوں میں ڈھل گئے چنانچہ انسانی تاریخ ان ہی پودوں سے عبارت ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان وحشی درندوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ درختوں کے پتّوں کو پوشاک کے طور پر استعمال کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ انسان میں ارتقائی تبدیلیاں آئیں۔ رفتہ رفتہ وہ زیادہ مہذّب اور تہذیب یافتہ بن گیا۔ اس طرح انسانی زندگی کی تاریخ میں ایک انقلابِ عظیم آیا جس نے اسے ہر لحاظ سے متاثر کیا۔

دُنیائے نباتات ایک وسیع و عریض میدان ہے جس میں بتدریج ترقی ہو رہی ہے تاہم پودوں کو مندرجہ ذیل گروہوں میں منقسم کیا گیا ہے:-

THALLOPHYTA
- ۱۔ ایلجی PHYCOPHYTA (ALGAE)
- ۲۔ فنجائی MYCOPHYTA (FUNGI)

۳۔ برائیوفائیٹا BRYOPHYTA

۴۔ ٹرِیڈوفائیٹا PTREDOPHYTA

۵۔ سپرمیٹوفائیٹا SPERMATOPHYTA

SPERMATOPHYTA
- i۔ جمنوسپرم GYMNOSPERM
- ii۔ انجیوسپرم ANGIOSPERM

آج ہم ایلجی کو زیرِ بحث لاتے ہیں جسے عام زبان میں سمندری کائی (SEA WEAD) کہتے ہیں۔ یہ دُنیائے نباتات کا سب سے نچلا اور سادہ درجے کا گروہ ہے اِس خیال کو انڈر لائیکن (ENDERLICHEN) نے تقویت دی۔ اس میں تقریباً ۸۰۰ اقسام شامل ہیں یہ پودے کلوروفل (CHLOROPHYLL) کی موجودگی کی وجہ سے ضیائی تالیف کرتے ہیں (PHOTOSYNTHESIS)۔ یہ عمل پودوں کی

زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی عمل کی وجہ سے خوراک بنتی ہے جو پودوں کے مختلف عوامل میں صرف ہوتی ہے۔

پودے سورج کی روشنی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی سے کلوروفل کی موجودگی میں کاربوہائیڈریٹ بناتے ہیں جو پودے کے مختلف حصوں میں ذخیرہ ہو جاتی ہے پھر یہ پودے کے مختلف حصوں کو مہیا کی جاتی ہے۔ یہ ناگہانی حالات میں پودے کی نشوونما کیلئے ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ یہ پودے نہ صرف سمندر میں بلکہ دریاؤں، تالابوں، جوہڑوں، جھیلوں، بھیگی ہوئی جگہوں، پانی کے کھالوں اور نم دار دیواروں پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ پانی کی سطح پر ایک مخصوص رنگ کی تہہ بنا دیتے ہیں جو اُن کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے ان کی بعض اقسام پانی کی سطح پر تیرتی ہیں انہیں فائیٹوپلانٹن (PHYTOPLANTON) کہتے ہیں مگر دوسری اقسام پانی میں ڈوبی ہوتی ہیں جو کسی چیز سے سہارا لئے ہوتی ہیں مثلاً چٹان اور مٹی یا ریت کا ٹیلہ وغیرہ (PHYTOBENTHEN)۔

حالیہ تحقیقات سے یہ منکشف ہؤا ہے کہ ایلجی میں بعض پودے اِس قدر چھوٹے ہوتے ہیں (MICROSCOPIC) کہ انہیں انسانی آنکھ سے دیکھنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ انہیں صرف خوردبین (MICROSCOPE) سے ہی دیکھا جاسکتا ہے مگر بعض اتنے لمبے ہیں کہ وہ آسانی سے نظر آجاتے ہیں۔ ان میں کچھ کئی میٹر تک لمبے ہوتے ہیں ان کو کیلپ (KELP) کہتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ دریا، سمندر یا تالاب کی تہہ پر ایک غلاف (COVER) چڑھا دیتے ہیں جو کہ چُونے کے پتھر سے مشابہ ہوتے ہیں جس کی بناء پر انہیں (CHANOPHYCEAC) STONEWORTS کہتے ہیں۔

ایلجی میں سب سے انوکھی اور دلچسپ چیز ان کا مخصوص رنگ ہے جو کہ اس کے ہر گروپ کے لئے مخصوص ہے مثلاً نیل گوں ایلجی، گاڑھی سبز ایلجی، زردی مائل سبز ایلجی، براؤن ایلجی اور سُرخی مائل ایلجی۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہؤا ہے ان کا رنگ ایک مخصوص مادہ کے سبب ہے۔ مثلاً

(۱) FUCOSEANTHIN فیوکوزنتھین:
یہ زرد رنگ کا مادہ ہے جو کہ زردی مائل سبز ایلجی (XANTHOPHYCEAE) اور براؤن ایلجی (PHAEOPHYCEAE) میں پایا جاتا ہے۔

(۲) PHCOERYTHRIN فائیکوایتھرین:
یہ سُرخ رنگ کا مادہ ہے جو کہ سُرخ ایلجی (RIHODOPHYCEAE) اور نیل گوں سبز ایلجی (CYANOPHYCEAE) میں پایا جاتا ہے مگر نیل گوں سبز ایلجی (BLUEGREEN ALGAE) میں نہایت ہی قلیل مقدار میں ہوتا ہے۔

(۳) PHYCOCYANIN فائیوکوسائینین:
یہ نیل گوں ایلجی میں پایا جاتا ہے۔

ایلجی کی تولید بڑے ہی دلچسپ طریقوں سے

ہوتی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :-

نباتاتی طریق :- (۱) پودے کا تنا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں ہر ٹکڑا ایک نئے پودے میں تبدیل ہو جاتا ہے اِس طریق کو FRAGMENTATION کہتے ہیں۔

(۲) اِس طریقے میں پودے کے مختلف حصّوں پر چھوٹی چھوٹی گانٹھیں نمودار ہو جاتی ہیں جو اصل پودے سے علیحدہ ہو کر ایک نئے پودے میں ڈھل جاتی ہیں ان گانٹھوں کو PROPAGULES کہتے ہیں۔

غیر جنسی طریق :- اِس طریق میں جسم کے تمام سیلوں میں چھوٹے چھوٹے خوردبینی دانے بن جاتے ہیں ہر دانے کے ہمراہ دو یا دو سے زیادہ دھاگے ہوتے ہیں جنہیں FLAGELLA کا نام دیا جاتا ہے ان دانوں کو دھاگوں کے ساتھ ZOOSPORE) کہتے ہیں۔ یہ FLAGELLA کی وجہ سے حرکت کر سکتے ہیں یہ براہِ راست پودوں میں بدل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی طرح کے دوسرے سپور (SPORE) مثلاً AKINETES، APLANOSPORES، AUTOSPORES، HYNOSPORES اور CYSTS وغیرہ پیدا ہو سکتے ہیں جو کہ براہِ راست پودوں میں ڈھل جاتے ہیں۔

جنسی طریق :- اِس طریق میں نر اور مادہ سیل (CELL) ہوتے ہیں جو کہ متضاد خصوصیات رکھتے ہیں ان کو باٹنی کی زبان میں گیمیٹ (GAMETE) کہتے ہیں۔ نر گیمیٹ اور مادہ گیمیٹ کو SPERM اور AGG کہتے ہیں جو باہم مل کر ZYGOTE بناتے ہیں جو رفتہ رفتہ ایک مکمل پودے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بعض صورتوں میں انڈا نر اور مادہ کے ملاپ کی بجائے براہِ راست پودا بن جاتا ہے اسے PATHENOGENESIS کہتے ہیں مگر یہ بہت کم واقع ہوتا ہے ⁂

سیّدنا حضرت فضلِ عمر کا ایک ارشاد

"خدام الاحمدیہ کا پرچہ "خالد" ہے۔ وہ ایک خاص جماعت کا پرچہ ہے۔ لیکن ساری جماعت کو تو نہیں کہتا اس جماعت کو کہتا ہوں کہ تم اپنے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے اور اپنے مرکز سے یعنی خدّام کے مرکزی دفتر سے وابستگی رکھنے کے لئے "خالد" کی اشاعت اپنے حلقہ میں وسیع کرنے کی کوشش کرو۔"

(تقریر حضرت فضلِ عمر ۲۸ دسمبر ۵۴ء)

بکھرے موتی

- زبان کٹا ہوا اور گوشہ تنہائی میں بہرا گونگا بن کر بیٹھا ہوا انسان اس سے بہتر ہے جسکی زبان قابو میں نہ رہے۔
- حسین چہرہ کو بناؤ سنگھار کرانیوالی کی ضرورت نہیں ہے ؏
  حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را
- تجھے اگر دوسروں کی تکلیف کا احساس نہیں ہے تو تُو اس قابل نہیں کہ تجھے آدمی کہا جائے۔
- سچائی خدا کے راضی ہونے کا سبب ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھٹک گیا ہو۔
- زمانے کی گردش سے دل شکستہ ہو کر نہ بیٹھ اس لیے کہ صبر اگرچہ کڑوا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا ہے۔
- اگر بڑائی چاہتے ہو تو بخشش کرو کیونکہ جب تک دانہ نہ بکھیروگے وہ نہ اُگے گا۔
- اگر کوئی مانگنے والا عاجزی سے تجھ سے مانگے تو اس کو دیدے ورنہ کوئی ظالم زور سے لے گا۔
- جس عالم کا صرف کہنا ہی کہنا ہو (خود اس پر عمل نہ کرے) وہ جو کچھ کہے گا اسکا اثر کسی پر نہ ہوگا۔
- چیونٹیوں میں جب اتفاق ہو جاتا ہے تو وہ غضبناک شیر کی کھال اتار لیتی ہیں۔
- آدمیت جوانمردی اور مہربانی کا نام ہے حسین شکل وصورت کا نام نہیں۔
- کمزور پر زور کرنا شرافت نہیں کیونکہ جو پرندہ چیونٹی سے دانہ چھینے وہ کمینہ ہوتا ہے۔
- جس کا لباس پاک اور عادت ناپاک ہے اس کے لئے دوزخ کے دروازے کیلئے کنجی کی ضرورت نہیں۔
- اگر تُو اپنے آپکو نیکوں میں گنتا ہے تو تُو بد ہے اس لئے کہ خدائی میں خودی نہیں سماتی ہے۔
- شیریں کلامی اور نرم زبانی غضبناک انسان (کے غضب) کی آگ پر پانی جیسا اثر کرتی ہے۔
- جس کے سر میں غرور ہو اس کے بارے میں ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ سچی بات سنے گا۔
- اگر تو ہنرمند ہے تو غم نہ کر اس لئے کہ تجھے زمانہ ضائع نہ کریگا۔
- جسم کی طاقت خوراک سے نہ سمجھ اس لئے کہ اللہ کی مہربانی تیری پرورش کرتی ہے۔

(حکایاتِ سعدی مترجم، مطبوعہ شعاع ادب لاہور صفحہ ۲۴۱ تا ۲۵۵)

شیخ منیر احمد
مجلس گلشن اقبال کراچی

سائنس کی دنیا

سمندر
ایک نعمتِ خداوندی

(قسط دوم)

CARIBBEAN SEA & GULF OF MEXICO

CARIBBEAN کا علاقہ غذائی ذخائر سے مالا مال ہے اور GULF OF MEXICO کا علاقہ گیس اور تیل کے ذخائر سے بھرا ہوا ہے۔ CARIBBEAN سمندر کے ایک طرف خشکی ہے تو دوسری طرف جزائر کی ایک لمبی قطار ہے۔ اس سمندر کے جنوب کی طرف امریکہ کے وینزویلا اور کولمبیا کے علاقے ہیں جن میں ISHTAM OF PANAMA بھی شامل ہیں اور اس کے مشرق میں HONDUANS اور YUCATAN واقع ہے۔

CARIBBEAN کی تہہ کا علاقہ کھائیوں اور گھاٹیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ان گھاٹیوں اور کھائیوں کا رقبہ ایک ملین اسکوائر میل پر محیط ہے۔ اس سمندر میں سب سے گہرے علاقے کی گہرائی ۲۳،۰۰۰ فٹ ہے۔ یہ علاقہ CAYMON میں واقع ہے جو کہ جمیکا اور کیوبا کے درمیان ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے گہرے علاقوں میں GREENADA BASIN ۹۰۰۰ فٹ گہرا، وینزویلا ۱۶۰۰۰ فٹ گہرا، کولمبیا ۱۳۰۰۰ فٹ گہرا۔ اور YUCATAN ۱۸۰۰۰ فٹ گہرا ہے۔

اس کے مقابلے میں GULF OF MEXICO ایک میدانی سمندر ہے۔ اس کی تہہ میں اتنی گہری کھائیاں نہیں ہیں بلکہ ایک میدانی علاقہ ہے جو کہ CONTINENTAL SHELF ہے۔ اس کی گہرائی ۱۲۰۰۰ فٹ ہے۔ یہ میدانی علاقہ فلوریڈا سے شروع ہو کر میکسیکو کے ساحل سے ہوتا ہوا YUCATAN کے PENINSVOLA تک واقع ہے ویسے تو یہ سارا علاقہ ہموار میدان ہے لیکن عین اس کے درمیان میں ایک پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کا نام SIGSBEE KNOUS ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ سمندر کی تہہ سے ۱۲۰۰ فٹ تک بلند ہے۔

اس پہاڑی سلسلہ میں کون سی معدنیات پوشیدہ ہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے ۱۹۶۸ء میں GLAMOR CHEUANGER نامی سائنسی جہاز اس پہاڑ کے کچھ ٹکڑے نمونے کے طور پر لایا جن کو لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا گیا جن کا تجزیہ کرنے

پر پتہ چلا کہ یہ نمک کا پہاڑ ہے، یعنی نمک وافر مقدار میں موجود ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اس میں دوسری کئی اہم معدنیات شامل ہیں۔ اس پہاڑ کے دوسری طرف DRILL کر کے تیل کی موجودگی کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو اس بات کے بھی روشن امکانات ظاہر ہوئے کہ اس میں سے تیل بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اتنی گہرائی سے تیل حاصل ہوا۔

CARIBBEAN AND GULF OF MEXICO میں سے دو اہم ذخائر حاصل کئے جا رہے ہیں۔ ایک ماہی گیری سے مچھلیاں غذا کے طور پر حاصل کرنا اور دوسرے تیل حاصل کرنا جس سے کہ ہماری انڈسٹریز رواں دواں ہیں۔ ماہی گیری کے کام میں سب سے زیادہ ترقی کیوبا نے کی ہے اور کیوبا کی یہ ترقی روسی مدد کی مرہون منت ہے۔ اس ملک کی ماہی گیری میں ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۸ء میں ۲۱۰۰۰ من مچھلی پکڑی جاتی تھی لیکن آج کل ۱۰۰۰۰۰ من مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ کیوبا اب نہ صرف اس میدان میں اپنی ضروریات پوری کر رہا ہے بلکہ وافر مقدار میں مچھلیاں ایکسپورٹ بھی کر رہا ہے۔ کیوبا کی ایکسپورٹ میں ROCK HEAD LESS، LOBESTAR TAIL، TUNA SQUID، SHRIMPS، GROUPER، REDSNAPPER، FILLETS، SWARDFISH — HERRING اور SHARK FINS وغیرہ مچھلیاں شامل ہیں۔

دوسرا اہم کام تیل کا نکالنا ہے۔ GULF OF MEXICO میں سے تیل کا نکالنا اس قدر مشکل نہیں جتنا کہ NORTH SEA میں سے تیل نکالنا۔

GULF OF MEXICO کی تہہ ڈھلوانی ہے۔ اس بات کا اندازہ اس طرح سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ جس کے ۱،۲۷،۰۰۰ اسکوائر میل کا علاقہ صرف ۶۰۰ فٹ گہرا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم، اس لئے بہت سے کام ساحل پر ہی کئے جاتے ہیں۔ زیادہ فاصلے پر جو فکسڈ پلیٹ فارم ہیں وہ بھی ساحل سمندر سے ۴۰ میل اندر ہیں۔ یہاں موسم بھی عموماً خوشگوار رہتا ہے سوائے ایک ہوا کے، اس ہوا کو HURRICANE کہتے ہیں اس ہوا کی رفتار ۷۵ میل فی گھنٹہ ہے۔ یہ ٹراپیکل سائیکلون ہے جو عموماً جولائی سے اکتوبر تک کے مہینوں میں چلتی ہے۔ جب محکمہ موسمیات اس ہوا کی پیشگوئی کرتا ہے تو تمام MOBILE RIGS پورٹ کر دیئے جاتے ہیں اور فکسڈ پلیٹ فارم کے مزدور تیل اور گیس نکالنا چھوڑ دیتے ہیں پلیٹ فارم پر تو ہوا سے نقصان نہیں ہوتا، ہاں

البتہ سمندر کی طوفانی لہریں نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ ۱۵۰ میل فی گھنٹہ رفتار کی ہوا سے سمندر کی لہروں کی بلندی ۶۰ فٹ تک ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ لہریں جب پلیٹ فارم سے ٹکراتی ہیں تو پلیٹ فارم کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس ہوا سے سب سے زیادہ نقصان ۱۹۶۵ء میں پہنچایا تھا جس کا تخمینہ ۷۵ ملین ڈالر تھا۔

GULF OF MEXICO سے تیل نکالنے کے لیے ۱۹۷۲ء میں ایک اہم قدم اٹھایا گیا کہ LOUISIANA کے سمندر میں ایک اسپیشل چیمبر تہہ میں اتارا گیا جو کہ سطح سمندر سے ۳۷۵ فٹ نیچا اور سمندر کی تہہ سے ۳۰ فٹ بلند تھا۔

یہ STEEL CHAMBER ۱۰ فٹ DIAMETRL کا تھا۔ اس چیمبر کے اندر تمام وہ ضروری اوزار اور آلات رکھے ہوئے تھے جو کہ تیل نکالنے کے کام آتے تھے۔ اس چیمبر کی خاص بات یہ بھی تھی کہ یہ پانی کا دباؤ برداشت کر سکتا تھا۔ اس چیمبر میں آدمی بھیجنے کے لیے CAPSULE MAT استعمال کی گئی تھی۔ اس کے ذریعہ سے دو انجینئر اندر بھیجے گئے۔ کام ختم کرنے کے بعد یہ دونوں انجینئر واپس اسی CAPSULE MAT کے ذریعہ باہر آ گئے۔ اس کام کو آگے بڑھانے والے LOCK HEAD

MAZOR OIL اور PATEROLEUM COMPANIES والے ادارے ہیں۔

MEDITERRANEAN SEA

MEDITERRANEAN کی اوسطاً گہرائی ۵۰۰۰ فٹ ہے اور سب سے گہرا علاقہ ۱۰۰۰۰ فٹ سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ اس سمندر کے گرد و نواح کے علاقے گرم اور خشک ہیں۔ اس علاقے میں بارش بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ اسی لئے دریا جو پانی لاتے ہیں وہ بھی کم ہوتا ہے اگر MEDITE BRANIAN SEA میں صرف اس کے دریاؤں کا پانی اور بارش کا پانی ہی داخل ہو تو اس پانی کی مقدار اس پانی سے کم ہوتی ہے جو کہ آبی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ داخل ہونے والا پانی کتنا کم ہے اس بات کا اندازہ اس طرح سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اس سمندر میں صرف بارش کا پانی اور دریاؤں کا پانی ہی داخل ہو تو ہر سال اس کی سطح سمندر ۱۵۵ انچ کم ہوتی جائے اور ہوتے ہوتے یہ سمندر مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ لیکن قدرت نے بھی اس کو بچانے کا انتظام کیا ہوا ہے STRAIT OF GIBERALTE جو کہ ATLANTIC OCEAN سے نکلتی ہے وہ اس میں آکر داخل ہو جاتی ہے اور اس طرح سے سمندر کی وہ سطح

جو کم ہو جانی چاہیئے تھی، اس پانی کے داخل
ہونے سے پوری ہو جاتی ہے اور مزید یہ کہ
اس طرح سے ATLANTIC OCEAN
بھی اپنی سطح برقرار رکھ پاتا ہے۔ اگر STRAIT
OF GIBERALTER اٹلانٹک سے نہ
نکلے تو اس سمندر کی سطح بلند ہوتے ہوتے
اتنی بلند ہو جائے کہ اس کے گرد و نواح کے
علاقے بھی زیر آب آجائیں اور وہاں تباہی
مچ جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے STRAIT
OF GIBERALTER کے ذریعہ ان دونوں
سمندروں کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہوا
ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اسی سٹریٹ
آف جبرالٹر کے ذریعہ جرمنی اور اٹلی کی آبدوزیں
MEDITERANEAN سمندر میں بغیر انجن
چلائے داخل ہو جاتی تھیں جس کا فائدہ انہیں
یہ ہوتا تھا کہ انگریزوں اور اتحادیوں کو ان
کے آنے کی خبر نہ ہوتی تھی۔ اس طرح سے یہ جرمن
چوری چھپے حملہ کر دیتے تھے۔ انگریزوں کو ان
کی آمد کا علم صرف اس وقت ہوتا تھا جب کہ
وہ ان کے سمندر میں پہنچ چکی ہوتی تھیں۔

STRAIT OF GIBE-
RALTER کے دہانے پر ڈیم تعمیر کر کے اس
سے بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ اس طرح
سے ممکن ہے کہ ہم MEDITERANEAN
کی سطح سمندر کو کم کر دیں تو ایک سو سال میں
MEDITERANEAN کی سطح ۳۰۰ انچ سے
بھی زیادہ کم ہو سکتی ہے۔

پھر MEDITERANEAN کے ساحل
کا سارا علاقہ پرانے شہروں سے بھرا پڑا ہے۔
ان گنت تباہ شدہ جہازوں کے ڈھانچے،
کئی سو شہر اور کئی کھنڈرات اس سمندر کے
زیر آب آ گئے ہیں۔ اگر ہم ڈیم کے ذریعہ سطح
سمندر کو کم کر دیں تو یہ شہر دوبارہ ساحل پر
نمودار ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہمارا علم ترقی
کرے گا اور ہم پرانی طرزِ معاشرت سے
آگاہ ہو سکیں گے۔ اسی طرح ہم انکے خزائن
بھی دریافت کر سکیں گے۔

۱۹۵۸ء میں انگلینڈ کے OCEAN
NOGRAPHIC INSTITUTE OF
SCIENCE کے ایک طالب علم NICHO-
LAS FLEMMING نے پانی کے نچلے
حصہ کے بارے میں ریسرچ کر کے نارتھ افریقہ کی
ایک شہر APOLLONIA کے بارے میں
معلومات حاصل کیں۔ وہ ایک شہر کے غرق
ہونے کے بارے میں پریشان تھا جس پر اس
نے ریسرچ کر کے یہ حقیقت معلوم کی کہ سطح
سمندر تبدیل ہو جاتی ہے اور اس طرح
اس نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کھنڈرات
کی نشاندہی کی۔

NORTH SEA

NORTH SEA میں ماہی گیری، تیل اور گیس کے وسیع ذخائر ہیں۔ جس سے یورپین ممالک کی عام ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کا رقبہ OCEAN کے مقابلہ میں ہماری زمین پر ایک دھبے کی مانند ہے۔ گویا اپنے رقبہ کے لحاظ سے سب سے چھوٹا سمندر ہے۔

NORTH SEA میں ٹھنڈی یخ ہواؤں کے جھکڑ ۱۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اور TIDAL CURRENTS پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں۔ جبکہ لہریں ۱۰۰ فٹ سے بھی بلند پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ سمندر تباہی مچانے والا سمندر کہلاتا ہے۔ ہزاروں جانیں اس سمندر کی نذر ہو چکی ہیں لیکن یہ تباہی صرف طوفانی وقت میں ہی آتی ہے۔ اس کے علاوہ عام اوقات میں NORTH SEA ایک پُرسکون سمندر ہوتا ہے۔

NORTH SEA میں ۵۵ سے زائد مختلف اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ چھوٹی SPRATS سے لے کر بڑی بڑی شارک اور PORBEAGLES تک تمام اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں ہر سال تین ملین ٹن سے زیادہ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں جن کی قیمت ایک سو ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔

NORTH SEA کی مچھلیاں پکڑنے والی انڈسٹری صدیوں سے جاری ہے اور کامیابی سے چل رہی تھی لیکن جب سے شمالی سمندر کے علاقہ میں تیل دریافت ہوا ہے اس کی وجہ سے مچھلیاں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ جس کا اثر پورے یورپ میں محسوس ہو رہا ہے لیکن یہ بھی یقین سے کہا جاتا ہے کہ یہ گیس اور تیل کے ذخائر یورپ کی انڈسٹری میں دوسرا بڑا انقلاب پیدا کریں گے۔ کیونکہ انڈسٹری کو چلانے کے لئے جو چیز استعمال ہوتی ہے وہ ہے پٹرول۔ جس کے لئے یورپین پہلے تو دوسرے ممالک پر بھروسہ کرتے تھے جس سے انہیں کافی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ چونکہ تیل پیدا کرنے والے ممالک تیل کو اپنے ملک کے سیاسی مسائل حل کرنے کے لئے بھی استعمال کرنے لگے تھے لیکن اب تیل اور گیس کے یہ ذخائر ان کیلئے بہت کارآمد ثابت ہوں گے۔

NORTH SEA کی کل لمبائی ۶۵۰ میل اور سب سے چوڑا مقام ۴۰۰ میل کا ہے گویا ڈنمارک اور انگلینڈ کے درمیانی فاصلہ جتنا۔ اس سمندر کی تہہ میدانی نہیں بلکہ پہاڑی اور کھائیوں والی تہہ ہے۔ اس سمندر میں نارتھ اور ساؤتھ کی طرف جاتے ہوئے ڈھلوانی تہہ ہے۔ ویسے تو یہ سمندر بڑا پُرسکون ہے لیکن

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

(مکرم شیخ رفیق احمد صاحب طاہر۔ سرگودھا)

دُنیا کی ہر چیز تین حالتوں میں پائی جاتی ہے۔
نمبر ۱ ٹھوس (SOLID) جیسے پتھر، لوہا، تانبا وغیرہ
نمبر ۲ مائع (LIQUID) جیسے پانی، تیل، دُودھ وغیرہ
نمبر ۳ گیس (GAS) جیسے آکسیجن، ہائیڈروجن و نائٹروجن وغیرہ۔

ان تمام چیزوں کو دُو گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) مرکّب (COMPOUND) (۲) عنصر (ELEMENT)۔ ہر مرکب دو یا دو سے زیادہ عناصر کے ملنے سے بنتا ہے۔ مرکّب کی خصوصیّات ان عناصر سے بالکل مختلف ہوتی ہیں جن کے باہم ملنے سے وہ بنتا ہے۔ مثلاً پانی مرکب ہے اور آکسیجن اور ہائیڈروجن اس کے عناصر ہیں۔

مرکّب کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جس میں اُس کے تمام خواص موجود ہوں سالمہ (MOLECULE) اور عنصر کا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ ایٹم (ATOM) کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر پانی کے ایک مالیکیول میں آکسیجن کا ایک اور ہائیڈروجن کے دو ایٹمز موجود ہوتے ہیں اِسی لئے پانی کا فارمولا H_2O ہے۔ اگر ان ایٹمز کو علیحدہ کر دیا جائے تو پانی کی خصوصیّات ختم ہوجائیں گی اور آکسیجن و ہائیڈروجن اپنی خصوصیّات کے ساتھ الگ ہوجائیں گے۔

ہر ایٹم کا ایک مرکز ہوتا ہے جسے نیوکلیس (NUCLEUS) کہتے ہیں اس میں دُو قسم کے ذرّات موجود ہوتے ہیں نمبر ۱ قلبیئے (PROTONS) نمبر ۲ عدلیئے (NEUTRONS) پروٹونز مثبت برقی پارے کہلاتے ہیں لیکن نیوٹرانز نہ تو مثبت ہوتے ہیں اور نہ ہی منفی۔ نیوکلیس کے اِرد گرد ایک یا ایک سے زیادہ منفی ذرّات نہایت تیزی سے چکّر لگاتے رہتے ہیں انہیں برقیئے (ELECTRONS) کہتے ہیں۔ دُنیا کی ہر مادّی شئے اِسی قسم کے لاتعداد منفی اور مثبت ذرّوں یعنی الیکٹرانز اور پروٹونز پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر ایک خاص قسم کے دباؤ (PRESSURE) کے تحت کسی موصل کے الیکٹرانز کو اِس طرح حرکت دی جائے کہ ان کی مسلسل رَو جاری ہوجائے تو اسے برقی رَو، الیکٹرک کرنٹ یا بجلی کہتے ہیں ـــــ

دوسرے الفاظ میں کسی کنڈکٹر (تار) میں الیکٹرانز کا مسلسل بہاؤ بجلی کہلاتا ہے۔

کنڈکٹر یا موصل (CONDUCTOR)

وہ اشیاء جن میں برقی رو بآسانی گذر جائے کنڈکٹر یا موصل کہلاتی ہیں۔ مثلاً چاندی، تانبا، پیتل، المونیم، پلاٹینیم اور لوہا وغیرہ۔

حاجز یا غیر موصل (INSULATORS)

وہ اشیاء جو بجلی نہ گذرنے دیں یا اس کے گذرنے میں بہت زیادہ رکاوٹ ڈالیں وہ انسولیٹرز کہلاتی ہیں مثلاً ربڑ، خشک لکڑی، شیشہ، ابرق اور بیکالائٹ وغیرہ۔

نیم حاجز (RESISTORS)

وہ اشیاء جو بجلی کو گذرنے تو دیں لیکن اس کی راہ میں مزاحمت پیدا کریں نیم حاجز اشیاء کہلاتی ہیں مثلاً یوریکا، نائیکروم، گرے فائٹ اور جرمن سلور وغیرہ۔

بجلی کے پیمانے

ایمپیئر (AMPERE)

جس طرح تیل اور پٹرول وغیرہ کو لٹر میں ماپا جاتا ہے اسی طرح کرنٹ کا بہاؤ ایمپیئر میں ماپا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں کرنٹ کے بہاؤ کی مقدار کی اکائی ایمپیئر ہے۔ ایمپئر کو لفظ 'I' یا 'A' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

وولٹ (VOLT)

جب جنریٹر یا بیٹری کی دونوں تاریں کسی برقی آلے (بلب، پنکھا، استری وغیرہ) کے ساتھ جوڑی جاتی ہیں تو جنریٹر یا بیٹری کے پریشر (PRESSURE) سے برقی آلے میں الیکٹرانز کی روانی قائم ہو جاتی ہے اس طرح الیکٹرانز کے چلنے سے کرنٹ بہنے لگتی ہے اور بلب، ہیٹر اور استری وغیرہ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں اسی پریشر یا زور کو ماپنے کے لئے جو اکائی استعمال ہوتی ہے اسے وولٹ کہتے ہیں۔ وولٹ کو حرف 'E' سے یا 'V' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

واٹ (WATT)

کسی سرکٹ میں پاور کو ماپنے کے لئے جو اکائی استعمال ہوتی ہے اسے واٹ کہتے ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ اس بلب کی پاور ۱۰۰ واٹ ہے۔ واٹ کو 'W' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

اوہم (OHM)

الیکٹرک سرکٹ میں رزسٹنس (RESISTANCE) کو ماپنے کے لئے جو اکائی استعمال ہوتی ہے اسے اوہم کہتے ہیں۔ اوہم کو نشان 'Ω' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

بجلی کی اقسام

بجلی کی دو اقسام ہیں .D.C بجلی اور .A.C بجلی۔

ڈی سی بجلی (DIRECT CURRENT)

یہ ڈائریکٹ کرنٹ ہوتا ہے یعنی ایک ہی سمت میں بہتا ہے۔ یہ کرنٹ ہم ڈرائی سیل یا موٹر بیٹری سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں ایک تار مثبت (POSITIVE) اور ایک تار منفی (NEGATIVE) ہوتی ہے۔

اے سی بجلی (ALTERNATING CURRENT)

یہ آلٹرنیٹنگ کرنٹ ہوتا ہے یعنی ایک سیکنڈ میں کئی مرتبہ سمت بدلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی آگے کو بہتا ہے اور کبھی پیچھے کو۔ یہ ایک سیکنڈ میں جتنی بار سمت بدلتا ہے وہ اس کی فریکونسی (FREQUENCY) کہلاتی ہے۔ مثلاً پاکستان میں بجلی کی فریکونسی ۵۰ سائیکل ہے یعنی یہ ایک سیکنڈ میں پچاس مرتبہ سمت بدلتی ہے۔ بہت سے ممالک میں بجلی کی فریکونسی ۶۰ سائیکل بھی ہے۔ ہمیں یہ بجلی جنریٹر سے یا پاور ہاؤس سے مل سکتی ہے۔ یہی ہماری گھریلو بجلی ہے۔ اس میں ایک تار نیوٹرل (NEUTRAL) اور ایک تار فیز (PHASE) ہوتا ہے۔ نیوٹرل کو ٹھنڈی اور فیز کو گرم تار بھی کہتے ہیں۔ اگر ہم گھر میں لگی ہوئی ساکٹ (جس میں ہم استری، پنکھا وغیرہ لگاتے ہیں) کے دونوں سوراخوں میں باری باری ٹیسٹر (TESTER) لگا کر دیکھیں تو جس سوراخ میں ٹیسٹر زیادہ روشن ہوگا وہ فیز اور جس میں کم روشن ہوگا وہ نیوٹرل ہوگی۔

(بقیہ صفحہ ۴۵)

طوفان کے وقت اس کی لہریں سو سو فٹ تک بلند ہو جاتی ہیں اور اس وقت ہوا ۱۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ کم سردیوں کے موسم میں بھی بعض دفعہ اس کی لہریں ۱۵ فٹ تک بلند ہوتی ہیں۔ سردیوں کے موسم میں پانی کا درجۂ حرارت 48°F ہوتا ہے جبکہ ہوا کا درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے بھی کم ہو جاتا ہے۔

بعض دفعہ جب سمندر کی TIDES (جو کہ سورج اور چاند کی وجہ سے) آسمان کی طرف اٹھتی ہیں تو اس خطرناک وقت میں ساحل پر بہت نقصان ہوتا ہے کیونکہ یہ لہریں توڑ پھوڑ بہت کرتی ہیں۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں تیز طوفانی ہوا اور TIDES ایک ہی وقت پر شروع ہوئے تو اس موقعہ پر EAST COAST OF INGLAND پر بہت نقصان ہوا اور ساحلی علاقوں میں EAST ANGLIA اور THAMES ESTUARY میں سیلاب آگیا تھا جس کی وجہ سے ۳۰۰ آدمی ڈوب کر مر گئے۔ اس کے بعد طوفان کی یہ لہریں ہالینڈ کی طرف بڑھیں اور وہاں بھی تباہی مچائی جس سے ۴۰۰ سے زیادہ بند اور پشتے ٹوٹ گئے اور کئی جانوں کا نقصان ہوا۔ لوگوں کے گھر تباہ ہوئے اور مویشیوں کو نقصان پہنچا۔

(باقی)

Monthly KHALID RABWAH
Regd. No. L5830 EDITOR MUNIR AHMAD JAVED JULY 1984